داعیٔ رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(گیارہواں ایڈیشن) ——— صفحات:360، قیمت475روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(آٹھواں ایڈیشن) ——— صفحات321، قیمت425روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات331، قیمت425روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات394، قیمت485روپے

حصہ پنجم سُورۃ مَریَم تا سُورۃُ السَّجدۃ
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات480، قیمت575روپے

حصہ ششم سُورۃُ الاحزاب تا سُورۃُ الحجرات
(تیسرا ایڈیشن) ——— صفحات484، قیمت590روپے

حصہ ہفتم سُورۃُ قٓ تا سُورۃُ النّاس
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات560، قیمت650روپے

ناشر انجمن خُدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور

ڈسٹری بیوٹر مکتبہ خُدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور فون 3-35869501(042)

شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ

اگست ۲۰۱۵ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

زہد کی حقیقت وفضیلت

"اربعینِ نوویؒ" کی ایک حدیث کی تفہیم

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 64

شمارہ : 8

شوال المکرّم 1436ھ

اگست 2015ء

فی شمارہ 30/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرون ملک	300 روپے
بھارت وبنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ ' گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ——— 5

تصورِ پاکستان اور نظامِ پاکستان

رفیق چودھری

بیانُ القُرآن ——— 11

سورۃ الانبیاء (آیات ۷۶ تا ۱۱۲)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ حدیث ——— 33

زہد کی حقیقت وفضیلت

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

آبروئے ما ——— 43

تحفظِ ناموسِ رسالت

قرۃ العین خنساء

سبق پھر پڑھ ——— 61

نظامِ خلافت: کیا؟ کیوں؟ کیسے؟

شجاع الدین شیخ

حسنِ معاملات ——— 74

قرض کا لین دین

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حسنِ معاشرت ——— 79

اسلام میں ساس اور سسر کے حقوق

آمنہ عبید خواجہ

بحث و نظر ——— 87

ذوالقرنین، سدِّ ذُوالقرنین اور یاجوج ماجوج (۹)

شاہین عطر جنجوعہ

❁ ❁ ❁

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

تصورِ پاکستان اور نظامِ پاکستان

کسی بھی ملک کی ترقی‘ خوشحالی‘ استحکام اور بقاء کا دارومدار اس ملک میں رائج نظام اور اس کو چلانے والے ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ اگر ملکی نظام اور اس کے تحت اختیارات کے استعمال کا مقصد معاشرے کے افراد کی فلاح و بہبود ہو تو ایسی ریاست فلاحی ریاست کہلائے گی اور ایسا نظام ملکی ترقی و خوشحالی کا ضامن ہوگا۔ بصورت دیگر اگر اقتدار و اختیارات کا استعمال حکمران طبقہ کے مفادات کے لیے محدود ہو جائے تو ایسا نظام زوال پذیر ریاست کی علامت ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل اہمیت نظام کی ہوتی ہے کیونکہ بہترین نظام ہی ملکی بقاء و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ بہرحال نظام اور نظام چلانے والوں کی سمت کا درست اور صحیح ہونا ناگزیر ہے۔

کون نہیں جانتا کہ نظریہ پاکستان کی بنیاد اسلام ہے۔ تاریخ پاکستان میں بڑے فخر کے ساتھ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نظریہ کی بنیاد مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسے لوگوں نے اپنے فکر و عمل سے ڈالی اور شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ جیسے لوگوں نے اپنے خون سے نظریۂ پاکستان کی پرورش کی۔ مگر اس حقیقت کو بیان نہیں کیا جاتا کہ ان بزرگزیدہ ہستیوں نے اپنی زندگیاں مغرب کے ایجاد کردہ جمہوری نظام کے لیے نہیں بلکہ شریعتِ محمدی ﷺ کے لیے وقف کیں اور شاہ اسماعیل شہیدؒ و سید احمد شہیدؒ نے جس دین پر اپنی زندگیاں نثار کیں وہ سرمایہ دارانہ نظام یا اُس کا بغل بچہ جمہوریت نہیں بلکہ دینِ محمدی ﷺ ہے۔ وہ معاشرے میں اسلام کا نفاذ چاہتے تھے۔ دنیا کی سب سے بڑی ہجرت کسی ریاست کے لیے نہیں بلکہ نظام کے لیے ہوئی۔ وہ لٹے پٹے قافلے جنہوں نے پاکستان کے لیے اپنے گھر بار چھوڑے‘ عصمتیں لٹائیں‘ جوان اولادوں کے گلے کٹوائے‘ مقصود کوئی اور نہیں بلکہ اسلامی نظام تھا۔ بقول اقبال الدین احمد ’’یہ شہید ہونے والے مسلمان ایسے سادہ دل مسلمان تھے کہ نہ انہیں تخت کا لالچ تھا نہ کسی صدارت کا‘ نہ انہیں بڑے بڑے محلوں کا شوق تھا نہ کسی وزارت کا‘ اگر شوق تھا تو صرف یہ کہ پاکستان بن جائے جہاں نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والے قوانین کا

بول بالا ہو اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے کی یاد تازہ ہو جائے‘‘۔

چودھری رحمت علی جنہوں نے پاکستان کا نام و نقشہ پیش کیا‘ ۱۹۴۲ء میں قیام پاکستان کا مقصد یوں بیان کیا ’’یہ انقلاب ہمیں اس بات کو یقینی بنانے کی دعوت دیتا ہے کہ مستقبل میں ہماری تعمیرِ نو کے سوتے اسلام سے پھوٹیں‘ اس کی منصوبہ بندی ملت ازم یعنی اسلامی اُمہ کی بنیاد پر ہو‘‘۔

علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں خطبہ الٰہ آباد میں اسلامی ریاست کا تصور پیش کیا‘ لیکن اس سے بھی پہلے آپ نے ریاستی نظام کی تشریح بیان کی۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو سالِ نو کے موقع پر آپ نے آل انڈیا ریڈیو لاہور کی استدعا پر ایک پیغام میں فرمایا تھا: ’’دورِ حاضر کو علوم عقلیہ اور سائنس کی عدیم المثال ترقی پر بڑا فخر ہے اور یہ فخر و ناز یقیناً حق بجانب ہے۔ آج زمان و مکان کی پہنائیاں سمٹ رہی ہیں اور انسان نے فطرت کے اسرار کی نقاب کشائی اور تسخیر میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے‘ لیکن اس تمام تر ترقی کے باوجود اس زمانے میں ملوکیت کے استبداد نے جمہوریت‘ قومیت‘ اشتراکیت‘ فسطائیت‘ اور نہ جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ ان نقابوں کی آڑ میں دنیا بھر میں قدرِ حریت اور شرفِ انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخِ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جن نام نہاد مدبروں کو انسانوں کی قیادت اور حکومت سپرد کی گئی ہے وہ خون ریزی‘ سفاکی اور زبردست آزادی کے دیو ثابت ہوئے۔‘‘

مصورِ پاکستان نے اپنے اس تاریخی پیغام میں دوٹوک الفاظ میں قوم پر واضح کر دیا کہ جمہوری نظام کسی بھی صورت میں شرف و فلاح اور حریت انسانی کا ضامن نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اپنی سفاکیت‘ بربریت اور حریت دشمنی میں ملوکیت سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا ہے۔ آپ نے اپنی شاعری میں بھی جابجا یہی موقف اپنایا ہے۔ لیکن صرف دو اشعار سے نظام کے حوالہ سے علامہ کا موقف واضح ہو جاتا ہے:؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس — جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر!
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

کون ایسا بدبخت ہوگا جو ’’شرعِ پیغمبر‘‘ اور ’’آئین پیغمبر‘‘ کا مطلب شریعت محمدی ﷺ کے علاوہ کچھ اور نکالے گا‘ مگر منافقت کی حد تو یہ ہے کہ ہم اقبال کو مصورِ پاکستان تو مانتے ہیں لیکن نظامِ پاکستان کے حوالے سے ان کا جو واضح تصور ہے اُسے سرے سے ماننے سے ہی

انکاری ہیں۔ہم مانتے ہیں کہ مجدد الف ثانی' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید ؒ نظریۂ پاکستان کے بانیوں میں سے ہیں' مگر ساتھ ہی اس حقیقت کو دانستہ نظرانداز کر دیتے کہ اُن کی ساری جِدّوجُہد محض ''ریاست'' کے لیے نہیں بلکہ نظامِ اسلام کے لیے تھی۔ صاف لفظوں میں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا مگر بطورِ نظام اسلام کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔بحیثیت قوم اپنے اس منافقانہ رویے کی سزا ہم نے قیامِ پاکستان کے بعد چند برسوں میں ہی آدھا ملک گنوا کر بھگت لی اور باقی ماندہ ملک میں کرپشن' لوٹ مار' دہشت گردی' انتشار' نسلی' لسانی' ثقافتی' جغرافیائی' علاقائی' صوبائی' مسلکی تعصّبات کی آگ میں سلگتے ہوئے بھگت رہے ہیں۔ یہ سب نظریہ پاکستان' تصور پاکستان اور پاکستان کے لیے قربانیوں کی عظیم ترین تاریخ رقم کرنیوالے شہداء کے نصب العین اور اُن کے خون سے غداری کا نتیجہ ہے۔لہٰذا صرف چوبیس سال میں اپنے ازلی دشمن کے ہاتھوں بدترین شکست کے نتیجہ میں یہ نظریاتی ریاست دولخت ہوگئی۔

مفاد پرستی' انتشار' عدم استحکام

ہمارے ہاں جمہوریت جہاں جماعتوں اور فرقوں کی بے انتہا کثرت کا باعث بنی وہیں پر مفاد پرست' ابن الوقت' مکّار اور دھوکے باز قسم کے افراد کے لیے انتہائی کشش کا باعث بھی تھی۔ایسے لوگ محض اقتدار کی خاطر سیاسی جوڑ توڑ کرتے ہیں' پارٹیاں بدلتے اور نئی پارٹیاں بناتے ہیں۔ان پارٹیوں کی کثرت اور باہمی رقابت ورسہ کشی سے جہاں قومی یکجہتی وہم آہنگی پارہ پارہ ہوتی ہے وہیں پر سیاسی اُکھاڑ پچھاڑ' محلاتی سازشوں اور سریع الوقوع تغیرات کے نتیجے میں نہ صرف قومی تعمیر وترقی میں بھی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے بلکہ ہر ادارے اور ہر شعبے میں انتشار اور افراتفری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔چنانچہ قائداعظم کی وفات کے بعد ہوسِ اقتدار کے اندھے سیاستدانوں میں حصولِ اقتدار کی دوڑ اور سیاسی گروپ بندیوں کے نتیجے میں صرف تین ساڑھے تین سال کے عرصہ میں جو صورتحال پیدا ہو چکی تھی اُسے کراچی کے امریکی سفارت خانے نے ''پاکستان میں موجود رقابتیں'' کے عنوان سے مئی ۱۹۵۱ء میں ایک تجزیاتی رپورٹ کی صورت میں واشنگٹن ارسال کیا۔ رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ پاکستان کے اکثر سیاستدان صرف اپنے ذاتی مفادات کے وفادار ہیں۔''جونہی کسی گروہ کے اقتدار یا اثر ورسوخ میں کمی دکھائی دیتی ہے' وہ فوراً کھسک کر اس گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں جس کے حالات اچھے

نظر آتے ہیں''۔ایک امریکی رپورٹ کے مطابق ''حامیوں کی تلاش میں کمترین قسم کی سیاسی چالبازی کا رواج ہو گیا ہے اور دانا اور اہل سرکاری ملازمین کو بھی ان کی مرضی سے یا مرضی کے بغیر اپنے موجودہ عہدوں کو برقرار رکھنے کے لیے یا مستقبل میں ترقی کی خواہش کی بناء پر کسی نہ کسی گروہ کا ساتھ دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔رشوت ستانی اور نااہلی کا دور دورہ ہے اور ہر سطح پر انتظامی فیصلوں سے عذر کیا جا رہا ہے۔''

مفاد پرستی' انتشار اور عدم استحکام کے نتیجہ میں بالآخر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء نافذ ہوا۔ سکندر مرزا نے اختیارات فوج کے حوالے کرنے سے قبل اپنے ایک ہنگامی فرمان میں جو لکھا وہ حقیقی معنوں میں جمہوریت کا ماتم تھا: سیاسی جماعتوں کی ذہنیت اتنی پست ہوگئی ہے کہ مجھے اس بات کا کوئی بھروسہ نہیں رہا کہ انتخابات ملک کے موجودہ داخلی انتشار کو سدھار سکتے ہیں یا ان کے ذریعے ایک ایسی مضبوط اور مستحکم حکومت لائی جا سکتی ہے جو ان بے شمار پیچیدہ مسائل کو حل کر سکے جو ہمیں درپیش ہیں۔آسمان سے نئے لوگ اُتر کر نہیں آئیں گے۔ وہی گروہ جس نے پاکستان کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے' انتخابات کو محض اپنے ذاتی اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرے گا۔''

حقیقت میں دیکھا جائے تو پاکستان میں جمہوری نظام ابتدائی چند سالوں میں ہی ناکام ہو چکا تھا۔۱۹۵۸ء میں پہلا مارشل لاء اس بات کا واضح ثبوت تھا۔اس ایک عشرہ کے جمہوری انتشار اور عدم استحکام کے بعد فوجی حکومت میں قدرے استحکام رہا' ملک تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن ہوا' خارجہ پالیسیوں کا بنیادی ڈھانچہ تشکیل پایا' دیگر ممالک خصوصاً چین کے ساتھ بہتر تعلقات کا آغاز ہوا اور ملک تنہائی اور غیر یقینی کی کیفیت سے نکل کر بین الاقوامی دھارے میں شامل ہو گیا۔لیکن یہ استحکام بھی عارضی ثابت ہوا۔فوجی حکمرانوں نے بھی سیاست دانوں جیسے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیے اور بعض سیاسی ماہرین تو یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ اس فوجی حکومت نے نفرت کے بیج بوئے اور بالآخر پاکستان اپنے مشرقی بازو سے محروم ہو گیا۔

کرپشن' لوٹ کھسوٹ اور مہنگائی

مشرق ہو یا مغرب جمہوری طرزِ سیاست میں کامیابی کا دارومدار اُصول' نظریہ یا کردار سے زیادہ سرمایہ پر ہوتا ہے۔سیاسی جماعتوں میں منشور سے زیادہ اہمیت سرمایہ کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی ڈیموکریسی ڈالر ڈیموکریسی کے نام سے مشہور ہوئی۔ پاکستان

میں جمہوریت مکمل طور پر سرمایہ کی مرہونِ منت ہے۔ کوئی فرد اُس وقت تک الیکشن میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ اُس کے پاس معقول سرمایہ موجود نہ ہو یا سرمایہ داروں کا ایک ٹولہ اس کے پشت پناہی نہ کررہا ہو۔ اسی طرح کوئی سیاسی جماعت برسراقتدار نہیں آسکتی جب تک کہ اکثریت کو سرمایہ داروں کی حمایت حاصل نہ ہو۔ یہ سرمایہ دار الیکشن میں پیسہ لگاتے ہیں اور بعدازاں من مانے مطالبات منواتے ہیں۔ برسراقتدار افراد اور سیاسی جماعتیں ان کے تمام مطالبات من وعن ماننے پر مجبور ہوتی ہیں۔ ان کی ملوں' کارخانوں اور فیکٹریوں پر ٹیکسز میں چھوٹ ملتی ہے' حکومت کی پشت پناہی میں بھاری قرضے حاصل کیے جاتے ہیں جو کہ بعدازاں معاف کروالیے جاتے ہیں' پیداواری اشیاء کے من مانے نرخ لگائے جاتے ہیں' نتیجۃً مہنگائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ہر دور میں مہنگائی میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ دوسری طرف حکومت سرمایہ داروں کی ملوں' فیکٹریوں اور کارخانوں پر ٹیکسز میں نرمی کرتی ہے اور بجٹ میں خسارہ پورا کرنے کے لیے عوام پر اضافی ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح عوام کے جیبوں پر بے رحمی سے ڈاکہ ڈالا جاتا ہے' غریب غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور سرمایہ دار امیر سے امیر تر۔

اُمیدوار الیکشن میں جتنا پیسہ لگاتے ہیں اُس سے دوگنا' چارگنا نکالنے کے لیے جعل سازی' کرپشن' بدعنوانی اور لوٹ کھسوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں الیکشن میں لگایا ہوا سرمایہ واپس نکالنے کے لیے یہی کام منصوبہ بندی کے تحت کرتی ہیں۔ نتیجہ میں ملکی اور قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کا لامتناہی سلسلہ چل نکلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پاکستان میں ہر شعبہ میں ہر سطح پر کرپشن ہورہی ہے۔ یہاں تک کہ گزشتہ حکومت کے دور میں ''حج کرپشن'' کیس بھی سامنے آیا اور اس میں ملک کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز شخصیات ملوث پائی گئیں۔ بعض سیاسی جماعتوں نے علی الاعلان بھتہ اور تاوان وصولی کا سلسلہ شروع کررکھا ہے۔ فرض کریں کہ سربراہِ حکومت خود کرپٹ نہ بھی ہو لیکن یہ کرپٹ نمائندے اس کے تخت کے پائے کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ ان کے خلاف اقدام کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔

ہماری ہر حکومت نے قومی ترقی کے نام پر بیرونی قرضوں کا بوجھ ڈالا۔ یہ رقوم سیاسی پنڈتوں کی جیبوں میں چلی گئیں جبکہ ورلڈ بینک کی اقتصادی پالیسیوں کے نتائج بجلی اور گیس کے بلوں اضافہ کی صورت میں عوام بھگت رہی ہے۔ بعض بیرونی قوتیں سیاسی جماعتوں کو فنڈز

دیتی ہیں اور بعدازاں NGOs کے ذریعے اس کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ چاہے نصاب تعلیم ہو یا آزادیٔ نسواں' یہ این جی اوز اپنا کھیل کھیلتی ہیں اور حکومتی پالیسیاں چوں چوں کا مربّہ بن جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض سیاسی جماعتوں اور سیاسی راہنماؤں کو انڈیا کی جانب سے فنڈنگ کے الزامات بھی سامنے آرہے ہیں۔

نااہل' بے دین اور بدعنوان قیادت

جمہوری طرز سیاست کی اس بدعنوانی' کرپشن' جعل سازی اور جھوٹ فریب کے باعث شریف النفس' اعلیٰ دماغ اور اعلیٰ کردار کی حامل شخصیات سیاست سے اجتناب کرتی ہیں۔ لہٰذا قوم ایسے نیک' مخلص اور باکردار افراد کی قیادت سے محروم ہوجاتی ہے اور عنانِ حکومت جعل ساز' مکار اور چھوٹے دماغ کے حامل افراد کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جو اپنے مکر' فریب اور ابلیسی چالوں کے ساتھ عوام کو اپنے دامِ فریب میں گرفتار کیے رکھتے اور پس پردہ اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔

اسلام یا سیکولر نظام

ہمارے اعمال و کردار کی وجہ سے پاکستان آدھا رہ گیا اور اس میں بھی بغاوتیں' نسلی' لسانی' علاقائی' صوبائی تعصّبات' طبقاتی تقسیم و تفریق' کرپشن' جعل سازی' لوٹ مار' قتل وغارت گری' مہنگائی' یہ ہے نظریۂ پاکستان سے انحراف کا نتیجہ اور سرمایہ دارانہ نظام کا پھل۔ بجائے اس کے اگر نظریۂ پاکستان کے مطابق نظامِ پاکستان یعنی اسلام کو عملی طور پر نافذ کیا جاتا' نہ دوقومی نظریہ کی دیوار میں دراڑیں پڑتیں' نہ نسلی' لسانی' علاقائی' صوبائی تعصّبات اُبھرتے' نہ اِدھر تم اُدھر ہم جیسی تقسیم ہوتی' نہ پاکستان ٹوٹتا' نہ بلوچی ناراض ہوتے' نہ سندھ کارڈ ہوتا' نہ قبائلیوں کو گلہ ہوتا' نہ دہشت گردی ہوتی' نہ قتل وغارت گری' نہ مہنگائی' نہ کرپشن نہ لوٹ مار' نہ طبقات میں بٹا ہوا معاشرہ' بلکہ پوری قوم ایک نظریہ' ایک منشور کی بنیاد پر ایک وحدت اور ایک قوت ہوتی۔ مساوات' بھائی چارہ' عدل وانصاف یہ سب اسلامی نظام کے مرہونِ منت تھے۔ پاکستان کو ایک سازش کے تحت اسلامی فلاحی ریاست نہ بنایا گیا' نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ باقی ماندہ پاکستان میں بھی پڑتی دراڑیں ہر آنکھوں والے کو نظر آرہی ہیں۔ صرف اور صرف نظریۂ پاکستان کی عملی تعبیر سے ان دراڑوں کو پُر کیا جاسکتا ہے' وگرنہ خاکم بدہن مزید ٹوٹ پھوٹ کا خطرہ شدت سے لاحق ہے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الْاَنْبِیَاء

آیات ۷۶ تا ۹۴

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِیْمِ ۚ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ
فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ
غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا
وَّعِلْمًا ۟ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ
صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾
وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَكُنَّا
بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا
دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾ ۙ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ
وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ ۟ وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ
وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِیْلَ
وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ ۚ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ
مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ
فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ ۚ
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِیَّاۤ اِذْ
نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۟ وَوَهَبْنَا

لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا
رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا
مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ
وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ
یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

آیت ۷۶ ﴿وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ ’’اور نوحؑ کو بھی (ہم نے اپنی ہدایت بخشی) جب اُسؑ نے دعا کی تھی اس سے پہلے‘ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی‘‘

یہ اس دُعا کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ القمر میں نقل ہوئی ہے: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾﴾ کہ پروردگار میں تو مغلوب ہو گیا ہوں‘ اب تو میری مدد فرما اور تو ہی ان کافروں سے انتقام لے۔ آپؑ کی یہ دعا قبول فرمائی گئی اور اس نافرمان قوم کو غرق کر دیا گیا۔

﴿فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾﴾ ’’تو ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو بہت بڑے کرب سے۔‘‘

آیت ۷۷ ﴿وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ﴾ ’’اور ہم نے اُس کی مدد کی اس قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔‘‘

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾﴾ ’’یقیناً وہ بہت بُرے لوگ تھے‘ تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔‘‘

آیت ۷۸ ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ﴾ ’’اور داؤدؑ اور سلیمانؑ کو (بھی یہی نعمت عطا فرمائی) جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے‘ جب اس میں گھس گئی تھیں کچھ لوگوں کی بکریاں۔‘‘

کسی شخص نے اپنی کھیتی میں بڑی محنت سے فصل تیار کی تھی مگر کسی دوسرے قبیلے کی بکریوں کے ریوڑ نے کھیت میں گھس کر تمام فصل تباہ کر دی۔ اب یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا۔

﴿وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾﴾ ’’اور ہم ان کے فیصلے کے وقت وہاں موجود تھے۔‘‘

آیت ۷۹ ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ﴾ ''تو ہم نے فہم عطا کر دیا اس (فیصلے) کا سلیمانؑ کو۔''

فیصلے کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام بھی شہزادے کی حیثیت سے دربار میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدمے کا ایک حکیمانہ حل ان کے ذہن میں ڈال دیا۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مسئلے کا حل یہ بتایا کہ بکریاں عارضی طور پر کھیتی والے کو دے دی جائیں' وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے۔ دوسری طرف بکریوں کے مالک کو حکم دیا جائے کہ وہ اس کھیتی کو دوبارہ تیار کرے۔ اس میں ہل چلائے' بیج ڈالے' آبپاشی وغیرہ کا بندوبست کرے۔ پھر جب فصل پہلے کی طرح تیار ہو جائے تو اسے اس کے مالک کے سپرد کر کے وہ اپنی بکریاں واپس لے لے۔

﴿وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ﴾ ''اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا تھا۔''

﴿وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ﴾ ''اور ہم نے مسخر کر دیا تھا داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں کو جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (مسخر کر دیا تھا)۔''

حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز بہت اچھی تھی۔ اسی لیے لحن داؤدی کا تذکرہ آج بھی ضرب المثل کے انداز میں ہوتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی دلکش آواز میں زبور کے مزامیر (اللہ کی حمد کے نغمے) الاپتے تو پہاڑ بھی وجد میں آ کر آپؑ کی آواز میں آواز ملاتے تھے اور اڑتے ہوئے پرندے بھی ایسے مواقع پر ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔

﴿وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝۷۹﴾ ''اور یہ سب کچھ کرنے والے ہم ہی تھے۔''

ظاہر ہے یہ سب اللہ ہی کی قدرت کے عجائبات تھے۔

آیت ۸۰ ﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ﴾ ''اور ہم نے انہیں تمہارے لیے لباس کی صنعت سکھائی''

یہاں لباس سے مراد جنگی لباس یعنی زرہ بکتر ہے۔ گویا زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور انہیں یہ ہنر براہِ راست سکھایا تھا۔

﴿لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝۸۰﴾ ''تاکہ وہ تمہیں بچائے تمہاری جنگ سے' تو کیا تم شکرگزار بنتے ہو؟''

جنگ کے دوران زرہ بکتر تلوار' نیزے اور تیروں سے ایک سپاہی کی حفاظت کرتی ہے۔

آیت ۸۱ ﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ﴾ ''اور (ہم نے مسخر کر دیا تھا) سلیمانؑ کے لیے تیز چلنے والی ہوا کو' جو اُس کے حکم سے چلتی تھی اس سرزمین کی طرف کہ جس میں ہم نے برکت عطا کی تھی۔''

﴿وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝۸۱﴾ ''اور ہم تمام چیزوں کا علم رکھنے والے ہیں۔''

آیت ۸۲ ﴿وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ﴾ ''اور شیاطین میں سے (بھی ہم نے بہت سوں کو مسخر کر دیا تھا) جو اس کے لیے (سمندروں میں) غوطہ خوری کرتے تھے''

یعنی جنّات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے اور ان کی تہوں سے موتی اور دوسری مفید چیزیں نکال کر لاتے تھے۔

﴿وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ﴾ ''اور وہ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے کام بھی کرتے تھے۔''

﴿وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝۸۲﴾ ''اور ہم ہی ان پر نگران تھے۔''

گویا وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے تو یہ بھی ہماری ہی قدرت کا کمال تھا۔

آیت ۸۳ ﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ﴾ ''اور ایوب (پر بھی ہمارا فضل ہوا) جب اُس نے اپنے پروردگار کو پکارا''

حضرت ایوب علیہ السلام بھی جلیل القدر نبی ہیں اور قرآن میں آپؑ کو صابر کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شدید بیماریوں کے ذریعے آپؑ کی آزمائش کی مگر آپؑ ہر حال میں صابر اور شاکر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''صبرِ ایوب'' ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ واضح رہے کہ شکوہ وشکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے' جس کا اظہار آپؑ نے کبھی نہیں کیا' البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔

﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۸۳﴾ ''کہ مجھے بہت زیادہ تکلیف پہنچی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۸۴ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ﴾ ''تو ہم نے اُس کی دعا قبول کی اور اُس کو جو تکلیف تھی اسے دور کر دیا''

آپؑ ایک ایسی بیماری میں مبتلا تھے جس سے آپؑ کی جلد میں تعفّن پیدا ہو جاتا تھا۔ زخموں

اور پھوڑوں سے بدبو آتی تھی جس کی وجہ سے آپؑ کے اہل خانہ تک آپؑ کو چھوڑ گئے تھے۔

﴿وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ ''اور ہم نے اسے عطا کیے اُس کے گھر والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی۔''

یعنی آپؑ کے اہل خانہ بھی آپؑ کے پاس واپس آ گئے اور آپؑ کو اتنی ہی مزید اولاد بھی عطا فرمائی۔

﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝۸۴﴾ ''اپنی طرف سے خاص رحمت کے طور پر' اور تاکہ نصیحت (یاددہانی) ہو عبادت کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۸۵ ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۸۵﴾ ''اور (اسی طرح) اسماعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ (پر بھی ہم نے فضل کیا)۔ وہ سب صابرین میں سے تھے۔''

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر سورۂ مریم کی آیت ۵۶ کے ضمن میں بھی آ چکا ہے کہ آپؑ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اور حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے تھے۔ ان سے قبل حضرت شیث علیہ السلام کی بعثت بھی ہو چکی تھی۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں کہیں سے کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں کہ آپؑ کب اور کس علاقے میں مبعوث ہوئے۔ احادیث میں بھی آپؑ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ موجودہ دور کے ایک عالم اور محقق مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا خیال ہے کہ ذوالکفل سے مراد گوتم بدھ ہیں اور یہ کہ گوتم بدھ اللہ کے نبی تھے۔ ان کے اس دعویٰ کے بارے میں یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا' لیکن اس سلسلے میں مولانا کے دلائل میں بہرحال بہت وزن ہے۔ گوتم بدھ کے بارے میں تاریخی اعتبار سے ہمیں اس قدر معلومات ملتی ہیں کہ وہ ریاست ''کپل وستو'' کے شہزادے تھے۔ مولانا کے مطابق ''کپل'' ہی دراصل ''کفل'' ہے یعنی ہندی کی ''پ'' عربی کی ''ف'' سے بدل گئی ہے۔ اس طرح ذوالکفل کا مطلب ہے: ''کفل (کپل) والا''۔ یعنی کپل ریاست کا والی (سدھارکا بدھا یا گوتم بدھا)۔

آج جو عقائد گوتم بدھ سے منسوب کیے جاتے ہیں' ان میں یقیناً بہت کچھ تحریف بھی شامل ہو چکی ہوگی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی آپؑ کے پیروکاروں نے بہت سے من گھڑت عقائد شامل کر لیے ہیں۔ ممکن ہے کہ گوتم بدھ کی اصل تعلیمات الہامی ہی ہوں اور بعد کے زمانے میں ان میں تحریف کر دی گئی ہو۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں مولانا

مناظر احسن گیلانی کے دلائل کافی معقول اور ٹھوس ہیں۔

آیت ۸۶ ﴿وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۶﴾ ''اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ سب صالحین میں سے تھے۔''

آیت ۸۷ ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ ''اور مچھلی والے کو بھی (ہم نے نوازا) جب وہ چل دیا غصے میں بھرا ہوا''

یعنی حضرت یونس علیہ السلام۔ آپؑ کو ''مچھلی والا'' اس لیے فرمایا گیا ہے کہ آپؑ کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ آپؑ کو شہر نینوا کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔ آپؑ نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا۔ آپؑ نے بار بار دعوت دی' ہر طرح سے تبلیغ و تذکیر کا حق ادا کیا' مگر اس قوم نے آپؑ کی کسی بات کو نہ مانا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہو گیا۔ اس موقع پر آپؑ حمیتِ حق کے جوش میں قوم سے برہم ہو کر ان کو عذاب کی خبر سنا کر وہاں سے نکل آئے۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر آپؑ سے ایک ''سہو'' سرزد ہو گیا کہ آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت آنے سے پہلے ہی اپنے مقامِ بعثت سے ہجرت کر لی' جبکہ اللہ کی باقاعدہ اجازت کے بغیر کوئی رسول اپنے مقامِ بعثت کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اسی اصول اور قانون کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی' مگر آپؐ نے خود اس وقت تک ہجرت نہیں فرمائی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اس کی اجازت نہیں مل گئی۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے قوانین بہت سخت ہیں اور اللہ کے مقرب بندوں کا معاملہ تو اللہ کے ہاں خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ان آیات کا مطالعہ اور ترجمہ کرتے ہوئے ہمیں یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ معاملہ اللہ عزوجل اور اس کے ایک جلیل القدر رسولؑ کے مابین ہے۔ اسے ہم الفاظ کے بظاہر مفہوم پر محمول نہیں کر سکتے۔ حضرت یونس علیہ السلام وہ رسول ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یونس ابن متیؑ پر بھی فضیلت نہ دو''۔ بہرحال حضرت یونس علیہ السلام حمیتِ حق کے باعث اپنی قوم پر غضبناک ہو کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ ''اور اُس نے گمان کیا کہ ہم اسے پکڑ نہیں سکیں گے''

واللہ اعلم! یہ الفاظ بہت سخت ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ' یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے کہ وہ بستی

سے نکل کر گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی نکل گئے‘ بلکہ آپؑ کے طرزِ عمل سے یوں لگتا تھا۔ یعنی صورت حال ایسی تھی کہ دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا تھا کہ شاید آپؑ نے ایسا سمجھا تھا کہ اللہ ان کو پکڑ نہیں سکے گا‘ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں کہ حضرت یونسؑ کے دل میں ایسا کوئی خیال گزرا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں کی ادنیٰ ترین لغزش کا ذکر بھی بہت سخت پیرایہ میں کرتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی‘ بلکہ جلالتِ شان ظاہر ہوتی ہے کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگزاشت بھی کیوں کرتے ہیں!

ع ’’جن کے رُتبے ہیں سوا‘ اُن کی سوا مشکل ہے!‘‘

﴿فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ﴾ ’’پس اُس نے (اللہ تعالیٰ کو) تاریکیوں کے اندر پکارا‘‘

آپؑ اپنے علاقے سے نکلنے کے بعد ایک کشتی میں سوار ہوئے اور وہاں ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ آپؑ کو دریا میں چھلانگ لگانا پڑی اور ایک بڑی مچھلی نے آپؑ کو نگل لیا۔ مچھلی کے پیٹ اور قعرِ دریا کی تاریکیوں میں آپؑ تسبیح کرتے اور اللہ کو پکارتے رہے:

﴿اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾﴾ ’’کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں‘ تو پاک ہے اور یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔‘‘

اے اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے‘ میں خطاکار ہوں‘ تو مجھے معاف کر دے! یہ آیت ’’آیت کریمہ‘‘ کہلاتی ہے۔ روایات میں اس آیت کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں۔ کسی مصیبت یا پریشانی کے وقت یہ دعا صدقِ دل سے مانگی جائے تو کبھی قبولیت سے محروم نہیں رہتی۔

آیت ۸۸ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ﴾ ’’تو ہم نے اُس کی دعا قبول فرمائی اور اُسے غم سے نجات دی۔‘‘

﴿وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ’’اور اسی طرح ہم نجات دیا کرتے ہیں اہل ایمان کو۔‘‘

یعنی یہ معاملہ حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جو اہل ایمان بھی ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو مصائب سے نجات دیں گے۔

آیت ۸۹ ﴿وَزَكَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ﴾ ’’اور زکریاؑ کو‘ جب اُس نے پکارا اپنے رب کو‘‘

اس بارے میں تفصیل سورۂ مریم میں گزر چکی ہے۔

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾﴾ ’’پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ‘ اور یقیناً تُو ہی بہترین وارث ہے۔‘‘

اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسا وارث عطا فرما جو میرے اس مشن کو زندہ رکھ سکے۔

آیت ۹۰ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ﴾ ’’تو ہم نے اُس کی دعا قبول فرمائی اور اسے یحییٰ علیہ السلام (جیسا بیٹا) عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اُس کے لیے صحت مند بنا دیا۔‘‘

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ﴾ ’’یقیناً یہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں میں بہت جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے رغبت اور خوف سے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ بین الخوف والرجاء (خوف اور امید کے درمیان) والا ہوتا تھا۔ اللہ کے مواخذے سے ڈرتے بھی تھے اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی رہتے تھے۔

﴿وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾﴾ ’’اور وہ سب ہمارے سامنے عاجزی اختیار کرنے والے تھے۔‘‘

اوصافِ انبیاءؑ کے اس خوبصورت گلدستے کے آخر میں اب حضرت مریم (سلام علیہا) کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۹۱ ﴿وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ ’’اور وہ خاتون جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی‘‘

یعنی پوری طرح سے پاک دامن رہیں۔

﴿فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾ ’’تو ہم نے اس میں پھونک دیا اپنی روح سے‘‘

یعنی حرفِ ’’کُن‘‘ بیٹے کی پیدائش کا ذریعہ بن گیا۔

﴿وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾﴾ ’’اور ہم نے اُسے اور اُس کے بیٹے کو ایک نشانی بنا دیا تمام جہان والوں کے لیے۔‘‘

آیت ۹۲ ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۡ﴾ ’’یقیناً یہ تمہاری امت‘ ایک ہی امت ہے‘‘

اُمت ابراہیمؑ‘ امت اسماعیلؑ‘ اُمت موسیٰؑ‘ اُمت عیسیٰؑ‘ اُمت محمد ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء کی اُمتیں بنیادی طور پر ایک ہی دین کی پیروکار تھیں اور یوں تمام انبیاء اور ان کے پیروکار

گویا ایک ہی امت کے افراد تھے۔ اس مضمون کو سورۃ البقرۃ' آیت ۲۱۳ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟﴾ یعنی شروع میں تمام انسان ایک ہی امت تھے اور ایک ہی دین کے ماننے والے تھے۔ پھر لوگوں نے اپنی اپنی سوچ اور اپنے اپنے مفادات کے مطابق صراطِ مستقیم میں سے پگڈنڈیاں نکال لیں' مختلف گروہوں نے نئے نئے راستے بنا لیے اور ان غلط راستوں پر وہ اتنی دور چلے گئے کہ اصل دین مسخ ہو کر رہ گیا اور اب ان مختلف گروہوں کے نظریات کی یہ مغائرت اس حد تک بڑھ چکی ہے ع ''کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی!''

یعنی آج بہت سے مذاہب کی اصلی شکل کو پہچاننا بھی ممکن نہیں رہا۔ ان کے بگڑے ہوئے عقائد کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ کبھی ان کا تعلق بھی دین حق سے تھا۔ بہرحال حقیقت یہی ہے کہ تمام انبیاورسل علیہم السلام کا تعلق ایک ہی امت سے تھا۔ وہ سب ایک ہی اللہ کو ماننے والے تھے اور سب ایک ہی دین لے کر آئے تھے' البتہ مختلف انبیاء کی شریعتوں کے تفصیلی احکامات میں باہم فرق پایا جاتا رہا ہے۔ یہ مضمون مزید وضاحت کے تحت سورۃ الشوریٰ میں آئے گا۔

﴿ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ ''اور میں ہی تم سب کا رب ہوں' لہٰذا تم لوگ میری ہی بندگی کرو!''

آیت ۹۳ ﴿ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ ﴾ ''اور انہوں نے اپنے معاملے کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔''

بقول اقبالؔ: ؎

اُڑائے کچھ ورق لالے نے' کچھ نرگس نے' کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

یہ مضمون سورۃ الحجر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ ''(یہ اسی طرح کی تنبیہہ ہے) جس طرح ہم نے ان تفرقہ بازوں کی طرف بھیجی تھی۔ جنہوں نے اپنے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تو (اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ کر رہیں گے''۔ اس کیفیت کی عملی تصویر آج اُمتِ مسلمہ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ آج ہمارے ہاں صورت حال یہ ہے کہ ہر جماعت' گروہ یا مسلک کے پیروکاروں نے قرآن کا کوئی ایک

موضوع اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک بس اسی کی اہمیت ہے اور وہی کُل دین ہے۔ مثلاً ایک گروہ قرآن میں سے چُن چُن کر صرف ان آیات کو اپنی تحریر و تقریر کا موضوع بناتا ہے جن میں حضور ﷺ کی رفعتِ شان اور محبت کا تذکرہ ہے۔ گویا انہوں نے قرآن کا صرف وہ حصہ اپنے لیے الاٹ کرا لیا ہے۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ (الکہف:۱۱۰) اور اس سے ملتے جلتے مضامین کی آیات پر ڈیرہ ڈال کر حضور ﷺ کی بشریت کو نمایاں کرنے اور مشرکانہ اوہام کی نفی کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اگر کوئی گروہ اولیاء اللہ اور صوفیاء سے عقیدت کا دعوے دار ہے تو ان کی ہر گفتگو اور تقریر کا محور ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ ﴾ (یونس) ہی ہوتا ہے۔ الغرض ہر گروہ کے ہاں کتاب اللہ کی چند آیات پر زور ہے اور باقی تعلیمات کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ چنانچہ آج کے اس دور میں قرآن کو ایک وحدت کی حیثیت سے پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے' جس کے لیے ہر صاحبِ علم کو استطاعت بھر کوشش کرنی چاہیے۔

﴿ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ''یہ سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔''

آیت ۹۴ ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ ﴾ ''تو جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا اور وہ مؤمن بھی ہو گا تو اس کی سعی و کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔''

اللہ تعالیٰ ''الشّکور'' (قدردان) ہے۔ اگر کسی کے دل میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت موجود ہے تو اس کے اخلاص اور ایثار کے مطابق اس کے ہر نیک عمل کی جزا دی جائے گی۔ ایسے کسی شخص کے چھوٹے سے عمل کی بھی ناقدری نہیں کی جائے گی۔

رہے وہ لوگ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے لیکن نیکی اور بھلائی کے مختلف کام بھی کرتے ہیں تو اللہ کو ان کے ایسے کسی عمل سے کوئی سروکار نہیں۔ بہرحال جو کوئی بھی نیکی کا کوئی کام اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کی نیت کے بجائے محض دکھاوے یا کسی اور غرض کی بنا پر کرے گا تو اسے اس کا کوئی اجر آخرت میں نہیں ملے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص الیکشن لڑنا چاہتا ہے اور اس کے لیے گھر گھر جا کر خیرات بانٹ رہا ہے تو اس کے اس عمل کے پیچھے اس کا خاص مقصد اور مفاد ہے نہ کہ اللہ کی رضا۔ لہٰذا اللہ کے ہاں ایسا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہے۔

﴿وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ ’’اور ہم اُس کے لیے (اس کے اعمال کو) لکھ رہے ہیں۔‘‘
خالص ہماری رضا کے حصول کے لیے یا ہمارے دین کی سربلندی کے لیے جو جہاں اور جب کوئی عمل انجام پا رہا ہے ہم اسے اپنے ہاں لکھ رہے ہیں تاکہ ایسے ہر ایک عمل کا پورا پورا اجر دیا جائے۔

آیات ۹۵ تا ۱۱۲

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ
وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ
شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا
وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا
زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ
عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْمَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ
خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ
خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ
الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ
عٰبِدِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ
اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا
تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ
بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

آیت ۹۵ ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ ’’اور حرام ہے ہر اُس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا کہ (وہ لوٹ آئیں) اب وہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔‘‘

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جن بستیوں پر اللہ کے عذاب کا فیصلہ ہو جاتا تھا‘ وہاں کے لوگ نبی یا رسول کے آنے کے بعد بھی کفر و شرک سے لوٹنے والے نہیں ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اتمامِ حجت کے لیے رسول تو بھیج دیتا تھا‘ لیکن اس کو خوب معلوم تھا کہ کفر و شرک سے ان لوگوں کے رجوع کرنے اور ایمان لانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ کے عذاب سے جو بستی ایک دفعہ برباد ہو گئی پھر اس کے دوبارہ آباد ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

آیت ۹۶ ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ ’’یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یاجوج اور ماجوج‘ اور وہ ہر اونچائی کے اوپر سے پھسلتے ہوئے چلے آئیں گے۔‘‘

قرآن میں یاجوج اور ماجوج کا ذکر اس آیت کے علاوہ سورۃ الکہف میں بھی آیا ہے۔ سورۃ الکہف کے مطالعے کے دوران اس موضوع پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ یاجوج اور ماجوج کی یلغار سے بچاؤ کے لیے ذوالقرنین کی تعمیر شدہ دیوار سے متعلق بہت واضح معلومات دنیا کے سامنے آ چکی ہیں۔ دنیا کے نقشے میں ’’در بند‘‘ وہ جگہ ہے جہاں پر وہ دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ دیوار اب وہاں بالفعل تو قائم نہیں‘ مگر اس کے واضح آثار اس جگہ پر موجود ہیں۔ ان آثار سے دیوار کی dimensions کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

آیت زیر نظر سے واضح ہوتا ہے کہ قربِ قیامت کے زمانے میں یاجوج اور ماجوج کا سیلاب ایک بار پھر آنے والا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے دوران یورپی اقوام کی یلغار (colonization) بھی اس آیت کا مصداق ہے جس کے نتیجے میں انہوں نے پورے ایشیا اور افریقہ پر بتدریج قبضہ جما لیا تھا۔ یعنی ایک ہی وقت میں فرانسیسی‘ ولندیزی اور برطانوی اقوام نے ملایا‘ انڈونیشیا‘ ہندوستان سمیت پورے ایشیا اور افریقہ کو غلام بنا لیا تھا۔ یہ تمام لوگ سکنڈے نیوین ممالک سے اتری ہوئی اقوام کی نسل سے تھے‘ جن کو Nordic Races کہتے ہیں اور یورپ کے White Anglo Saxons لوگ بھی انہیں کی اولاد سے ہیں۔ دراصل یہی وہ اقوام ہیں جو مختلف ادوار میں مہذب دنیا پر حملہ آور ہو کر ظلم و ستم اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتی رہی ہیں۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے اس شعر میں یورپی اقوام کے اس نوآبادیاتی استعمار (colonization) کو

یاجوج اور ماجوج کے تسلط سے تعبیر کیا ہے:ؔ

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ یَنسِلُوْن!

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بظاہر ان اقوام کی افواج کو ان مقبوضہ ممالک سے نکلنا پڑا' لیکن بالواسطہ طور پر وہ اپنے کٹھ پتلی اداروں اور افراد کے ذریعے ان ممالک پر مسلسل اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ورلڈ بینک' آئی ایم ایف اور بہت سے دیگر ملٹی نیشنل ادارے ان کے آلۂ کار ہیں۔

البتہ احادیث میں قربِ قیامت کے زمانے کے حالات و واقعات کی جو تفصیل ملتی ہے اس کے مطابق قیامت سے قبل ایک دفعہ پھر یاجوج اور ماجوج کا سیلاب آئے گا۔ ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ قربِ قیامت کے زمانے میں ایک بہت خوفناک جنگ (احادیث میں اس کا نام **المَلحَمۃ العُظمیٰ**' جبکہ عیسائی روایات میں Armageddon بتایا گیا ہے) ہوگی جس میں یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے مقابل ہوں گے۔ فلسطین' شام اور مشرق وسطیٰ کا علاقہ بنیادی طور پر میدان جنگ بنے گا' جس کی وجہ سے اس علاقے میں بہت بڑی تباہی پھیلے گی۔ اسی زمانے میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول اور امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ امام مہدی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اس سے پہلے خراسان اور مشرقی ممالک میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی اور ان علاقوں سے مسلمان افواج مشرقِ وسطیٰ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے جائیں گی۔ اس جنگ میں بالآخر فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معجزانہ تائید ہوگی' جس سے آپؑ یہودیوں کو ختم کر دیں گے۔ آپؑ کی آنکھوں میں ایک خاص تاثیر (آج کی لیزر ٹیکنالوجی سے بھی مؤثر) ہوگی' جس کی وجہ سے آپؑ کی نگاہ پڑتے ہی یہودی پگھلتے چلے جائیں گے۔ پھر آپؑ دجال (جو مسیح ہونے کا جھوٹا دعوے دار ہوگا) کو قتل کریں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دجال بھاگنے کی کوشش میں ہوگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس کو مقامِ لُدّ پر جالیں گے اور قتل کر دیں گے۔ (واضح رہے کہ Lydda اسرائیل کا سب سے بڑا ایئر بیس ہے۔)

ان سب واقعات کے بعد یاجوج اور ماجوج کے سیلاب کی شکل میں ایک دفعہ پھر دنیا پر مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔ آیت زیر نظر میں یاجوج اور ماجوج کی یلغار کے راستوں (routs) کے لیے لفظ ''حدب'' استعمال ہوا ہے' جس کے معنی اونچائی کے ہیں۔ مندرجہ بالا

آراء کے مطابق جن اقوام پر یاجوج اور ماجوج کا اطلاق ہوتا ہے ان سب کے علاقے ہمالیہ اور وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلوں کے شمال میں واقع ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ لوگ ان پہاڑی سلسلوں کو عبور کرتے ہوئے جنوبی علاقوں پر یلغار کریں اور یوں ''مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ'' کے الفاظ کی عملی تعبیر کا نقشہ دنیا کے سامنے آ جائے۔

آیت ۹۷ ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ﴾
''اور قریب آ لگے گا وہ سچا وعدہ' تو اُس وقت کافروں کی نگاہیں پتھرا جائیں گی۔''

انتہائی خوف کی وجہ سے انسان کی آنکھ حرکت کرنا بھول جاتی ہے۔ کفار و مشرکین قیامت کے دن اسی کیفیت سے دوچار ہوں گے۔

﴿یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾﴾ ''(وہ کہیں گے) ہائے ہماری شامت! ہم تو اس کی طرف سے غفلت میں ہی رہے' بلکہ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔''

ہم آخرت کا انکار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے تمام خبریں مل چکی تھیں لیکن ہم نے غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا اور اس طرف کبھی توجہ ہی نہ کی۔

آیت ۹۸ ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾﴾ ''یقیناً تم لوگ اور جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' سب جہنم کا ایندھن بنو گے۔ تمہیں اس میں پہنچ کر رہنا ہے۔''

آیت ۹۹ ﴿لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾ ''اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں داخل نہ ہوتے۔ اور وہ سب کے سب اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

آیت ۱۰۰ ﴿لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّهُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''انہیں اس میں چیخنا چلّانا ہو گا' اور وہ اس میں کچھ سن نہیں سکیں گے۔''

ان کے معبود جو ان کے ساتھ ہی جل رہے ہوں گے' وہ ان کی اس چیخ و پکار کو سن نہیں پائیں گے۔

آیت ۱۰۱ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی ۙ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے''

﴿اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۙ﴿۱۰۱﴾﴾ ''وہ اس سے دُور رکھے جائیں گے۔''

آیت ۱۰۲ ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ﴾ ''وہ اس کی آہٹ تک نہیں سنیں گے۔''

سورۂ مریم کی آیت ۷۱ ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ﴾ کے مطابق ایک دفعہ جہنم کا مشاہدہ تو سب کو کرایا جائے گا' لیکن پھر اس کے بعد اس کو اہل جنت سے بہت دور کر دیا جائے گا۔

﴿وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۙ﴿۱۰۲﴾﴾ ''اور وہ اپنی دل پسند خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔''

تمام مرغوباتِ نفس اہل جنت کو فراہم کر دی جائیں گی اور وہ اس کیفیت میں ہمیشہ رہیں گے۔

آیت ۱۰۳ ﴿لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ ''وہ بڑی گھبراہٹ انہیں پریشان نہیں کرے گی''

قیامت کی صورت حال بہت ہی بھیانک ہوگی۔ اگلی سورت (سورۃ الحج) کے آغاز میں قیامت کی ہولناک کیفیت کا ذکر یوں کیا گیا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝۱﴾ ''اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ قیامت کا زلزلہ یقیناً بہت بڑی چیز ہے''۔ لیکن آیت زیر نظر میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو اس سے کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوگی۔

''فزع اکبر'' سے مراد یہاں صرف قیامت کے دن کی سختیاں ہی نہیں بلکہ زمانۂ قرب قیامت کی سختیاں بھی ہیں۔ اس صورتِ حال کا ذکر احادیث میں کافی تفصیل سے ملتا ہے۔ اِن تفصیلات کے مطابق قربِ قیامت کے زمانہ میں مسلمانوں کو عیسائیوں اور یہودیوں کے خلاف ایک بہت خوفناک جنگ لڑنا ہوگی۔ اس جنگ کے کئی مراحل ہوں گے۔ مسلمانوں کو اس میں بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا' لیکن اللہ کی خصوصی مدد مسلمانوں کے شاملِ حال ہوگی۔ اللہ کی یہ مدد ظاہری اور مادی اسباب کی صورت میں بھی سامنے آئے گی۔ انہی اسباب میں سے ایک سبب سرزمین عرب میں ایک مجدد امام مہدی کا ظہور بھی ہوگا۔ پھر جب حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو مسلمان حضرت مسیحؑ اور امام مہدی کی قیادت میں عیسائیوں اور یہودیوں کے اتحاد کا مقابلہ کریں گے۔ اس سے پہلے خراسان اور افغانستان کے علاقوں میں (میرے اندازے

کے مطابق اس میں پاکستان کا علاقہ بھی شامل ہوگا) اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی اور اس حکومت کی طرف سے مذکورہ جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے افواج بھیجی جائیں گی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد آزمائش کا آخری مرحلہ یاجوج اور ماجوج کی یلغار کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اس کے بعد اسلام کا غلبہ ہوگا اور پوری دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو جائے گی' جو لگ بھگ چالیس سال (مختلف روایات میں مختلف مدت مذکور ہے) تک رہے گی۔ یہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اُمت کا پانچواں دور ہوگا' جس کی خبر احادیث میں دی گئی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِیْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا' فَیَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّكُوْنَ، ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِیَّةً' فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) ثُمَّ سَكَتَ (۱)

''دورِ نبوت تم میں اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا اس کو ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کی طرز پر خلافت کا دَور ہوگا' پھر وہ دَور رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا' پھر وہ اس کو ختم کر دے گا جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی۔ وہ دور بھی اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی' وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا' پھر وہ اس کو ختم کر دے گا جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا۔ پھر نبوت کے طرز پر دوبارہ خلافت قائم ہوگی''۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

اس حدیث کی رو سے پہلا دور دورِ نبوت' دوسرا دور دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' تیسرا دور ظالم ملوکیت کا دور' چوتھا غلامی والی ملوکیت کا دور' جبکہ پانچواں اور آخری دور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا ہے۔ اس خلافت کی خبر آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی دی ہے جو حضرت

(۱) مسند احمد' کتاب اول مسند الکوفیین' باب حدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ' ح ۱۷۶۸۰۔

ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا، وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا)) (۱)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے پوری زمین کو لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھا دیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لیے اور تمام مغرب بھی۔ اور یقین رکھو کہ میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھائے گئے۔''

اسی طرح حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا یَبْقٰی عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ —— اِمَّا یُعِزُّھُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فَیَجْعَلُھُمْ مِنْ اَھْلِھَا اَوْ یُذِلُّھُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَھَا)) —— قُلْتُ: ''فَیَکُوْنُ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ'' (۲)

''روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا نہ کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ اسلام کو داخل نہیں کر دے گا' خواہ کسی عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں —— (یعنی) یا لوگ اسلام قبول کر کے خود بھی عزت کے مستحق بن جائیں گے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اس کی فرماں برداری قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' میں (راوی) نے کہا: تب تو سارے کا سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے گا۔''

بہر حال قرآن میں موجود ''بین السطور'' اشاروں اور احادیث میں وارد صریح پیشین گوئیوں کے مطابق قیامت سے پہلے ان واقعات کا رونما ہونا طے ہے' اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعات کے اس سلسلے کا آغاز کب ہوگا۔

اس کے بعد قیامت کا مرحلہ ہوگا' لیکن قیامِ قیامت سے قبل ایک خوشگوار ہوا چلے گی جس سے تمام اہلِ ایمان پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس مرحلے کے بعد صرف فُسّاق و فجّار ہی دنیا میں باقی رہ جائیں گے اور انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے

(۲) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعۃ' باب ھلاک ھذہ الامۃ بعضھم ببعض۔

(۱) مسند احمد' کتاب باقی مسند الانصار' باب حدیث المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ' ح ۲۲۶۹۷۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ)) (۱)

''قیامت صرف شریر لوگوں پر ہی آئے گی۔''

''الفزع الاکبر'' اور ''زلزلۃ الساعۃ'' کی سختیوں کا سامنا بھی انہی لوگوں کو کرنا ہوگا' جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو قیامت سے پہلے سکون واطمینان کی موت دے کر اس دن کی سختیوں اور ہولناکیوں سے بچا لے گا۔

﴿وَتَتَلَقّٰىھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ۭ ھٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۱۰۳﴾ ''اور فرشتے ان سے ملاقاتیں کریں گے (یہ کہتے ہوئے کہ) یہ ہے آپ لوگوں کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

آج آپ لوگوں کو انعامات سے نوازا جائے گا' آپ کی قدر افزائی ہوگی' خلعتیں پہنائی جائیں گی اور اعلیٰ درجے کی مہمان نوازی ہوگی۔

آیت ۱۰۴ ﴿یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ ۭ﴾ ''جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے لپیٹا جاتا ہے کاغذوں کا طومار۔''

یہاں پر ''السَّمٰوٰت'' (جمع) کے بجائے صرف السَّمَآء (واحد) استعمال ہوا ہے' جس سے اس رائے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ یہ صرف آسمانِ دنیا کے لپیٹے جانے کی خبر ہے اور یہ کہ قیامت کے زلزلے کا عظیم واقعہ: ﴿اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝۱﴾ (الحج) صرف ہمارے نظامِ شمسی کے اندر ہی وقوع پذیر ہوگا۔ اسی نظام کے اندر موجود کُرّے آپس میں ٹکرائیں گے: ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹﴾ (القیامہ) اور یوں یہ پورا نظام تہہ و بالا ہو جائے گا۔ فرمایا کہ اُس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کے طومار (scrolls) لپیٹے جاتے ہیں۔

﴿کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ ۭ﴾ ''جیسے ہم نے پہلی مرتبہ ابتدا کی تھی (ویسے ہی) ہم اس کا اعادہ کریں گے۔''

اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے Theory of the Expanding Universe کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیے۔ اس نظریہ (Theory) کے مطابق یہ کائنات مسلسل

(۱) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعۃ' باب قرب الساعۃ۔

وسیع سے وسیع تر ہو رہی ہے۔ اس میں موجود ہر کہکشاں مسلسل چکر لگا رہی ہے اور یوں ہر کہکشاں کا دائرہ ہر لحظہ پھیلتا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے آیت زیر نظر کے الفاظ سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ قیامت برپا کرنے کے لیے کائنات کے پھیلنے کے اس عمل کو الٹا دیا جائے گا' اور اس طرح یہ پھر سے اسی حالت میں آ جائے گی جہاں سے اس کے پھیلنے کے عمل کا آغاز ہوا تھا۔ اس تصور کو سمجھنے کے لیے گھڑی کے ''فَنّر'' کی مثال سامنے رکھی جا سکتی ہے' جس کا دائرہ اپنے نقطۂ ارتکاز کے گرد مسلسل پھیلتا رہتا ہے' لیکن جب اس میں چابی بھری جاتی ہے تو یہ پھر سے اسی نقطۂ ارتکاز کے گرد لپٹ کر اپنی پہلی حالت پر واپس آ جاتا ہے۔

﴿وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝۱۰۴﴾ ''یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے۔ ہم یہ ضرور کر کے رہیں گے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝۱۰۵﴾ ''اور ہم نے لکھ دیا تھا زبور میں نصیحت کے بعد کہ اس زمین کے وارث ہوں گے ہمارے نیک بندے۔''

الفاظ کے مفہوم کے مطابق اس وراثت کی دو امکانی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت سے پہلے اللہ کا دین پوری دنیا پر غالب آ جائے گا' اللہ کے نیک بندوں کی حکومت تمام روئے زمین پر قائم ہو جائے گی اور یوں وہ پوری زمین کے مالک یا وارث بن جائیں گے۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ قیامِ قیامت کے بعد اسی زمین کو جنت میں تبدیل کر دیا جائے گا اور اہل جنت کی ابتدائی مہمان نوازی (نُـزُل) یہیں پر ہوگی (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو تشریح سورۂ ابراہیم: ۴۸)۔ اور یوں اللہ کے نیک بندے جنت کے وارث بنا دیے جائیں گے۔ اس مفہوم کے مطابق یہاں زمین سے مراد جنت کی زمین ہوگی۔

آیت ۱۰۶ ﴿اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝۱۰۶﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی خبر ہے (اللہ کی) بندگی کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۷﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

یعنی آپؐ کی بعثت صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جزیرۂ نمائے عرب میں اسلام کے عملی طور پر غلبے کے بعد آپؐ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا ہوتا' مگر

آپ ﷺ تو تمام اہلِ عالم کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ کی بعثت کا مقصد قرآن میں تین مقامات (التوبہ: ۳۳' الفتح: ۲۸ اور الصّف: ۹) پر ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ ''وہی ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو بھیجا الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے غالب کر دے تمام ادیان پر''۔ گویا آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تب پورا ہوگا جب دین اسلام کُل روئے زمین پر غالب ہو جائے گا۔ اسی مضمون کو اقبالؔ نے یوں بیان کیا ہے: ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

نورِ توحید کا اتمام یعنی اسلام کا بطور دین کلی غلبہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک تو حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں دین اسلام کے اس اقتدار کو مزید وسعت دینے کا سلسلہ بڑی شد و مد سے شروع ہوا مگر دورِ عثمانی میں ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے سازش کے ذریعے عالم اسلام میں ''الفتنۃ الکبریٰ'' کھڑا کر دیا۔ اس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور پھر مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے نتیجے میں ایک لاکھ کے قریب مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے ہلاک ہو گئے۔ اس فتنہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ نہ صرف غلبہ اسلام کی مزید تصدیر و توسیع کا عمل رک گیا' بلکہ بعض علاقوں سے مسلمانوں کو پسپائی بھی اختیار کرنا پڑی۔ حضور ﷺ کی بعثت چونکہ تا قیامِ قیامت کُل روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے اور آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ''اِظہار دین الحق'' (دین حق کا غلبہ) ہے' اس لیے یہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک آپ ﷺ کی بعثت کا یہ مقصد بہ تمام و کمال پورا نہ ہو اور دینِ اسلام کُل عالمِ انسانی پر غالب نہ ہو جائے۔ اس کا صغریٰ و کبریٰ قرآن سے ثابت ہے اور اس کی تفصیلات کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔

آیت ۱۰۸ ﴿قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۸﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان کو بتائیے کہ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے' تو کیا تم (اس کی) فرمانبرداری اختیار کرتے ہو؟''

آیت ۱۰۹ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ﴾ ''پھر اگر یہ لوگ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تو تم سب کو یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔''

میں نے تم سب لوگوں تک برابر اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ میں نے تمہارے سرداروں پر بھی اتمامِ حجت کر دیا ہے اور عوام کے سامنے بھی حق واضح انداز میں پیش کر دیا ہے۔ الغرض تمہارے معاشرے کا کوئی چھوٹا' کوئی بڑا' کوئی امیر اور کوئی غریب فرد ایسا نہیں جس تک میری یہ دعوت نہ پہنچی ہو۔ لہٰذا جو کام اللہ نے میرے ذمے لگایا تھا میں نے اپنی طرف سے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

﴿وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''اور میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دُور۔''

تم لوگوں کو جو وعید سنائی جا رہی ہے' جس عذاب یا قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے متعلق تم لوگوں کو خبردار کیا جا رہا ہے' اس کے بارے میں کوئی ''ٹائم ٹیبل'' میں تم لوگوں کو نہیں دے سکتا۔ میں نہیں جانتا کہ اللہ کا وہ وعدہ کب پورا ہوگا' البتہ یہ بات طے ہے کہ اپنے کرتوتوں کے نتائج و عواقب بہرحال تم لوگوں کو بھگتنے ہوں گے۔

قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں قطعی علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے' البتہ قرآن میں جابجا قیامت اور آثارِ قیامت کے بارے میں اشارے ملتے ہیں۔ احادیث نبویہؐ کی کتاب الملاحم' کتاب اشراط الساعۃ اور کتاب الفتن کے اندر بھی قرب قیامت کے زمانہ کے حالات و واقعات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں سابقہ الہامی کتب کے اندر بھی بہت سی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ اگرچہ ان کتب میں بڑی حد تک ردّ و بدل کر دیا گیا ہے' لیکن ان کی بعض عبارات اپنی اصلی حالت میں آج بھی موجود ہیں۔ ان پیشین گوئیوں کے حوالے سے بائبل کی آخری کتاب Book of Revelation بھی بہت اہم ہے جو حضرت یوحنا (John) کے مکاشفات پر مشتمل ہے' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پیغمبر (یوحنا: John the Baptist) کے ہم نام تھے۔ ماضی قریب کی شخصیات میں Nostradamous 'نعمت شاہ ولی' گاندھی جی (ان کی ذاتی ڈائری کی دریافت کے بعد یہ پیشین گوئیاں سامنے آئی ہیں) اور وائن برگر کی پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ اس سب کچھ کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا پر بہت مشکل حالات آنے والے ہیں۔ آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں' لیکن اس کے وقوع کے بارے میں قطعی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ ''یقیناً وہی جانتا ہے بلند آواز سے کہی گئی بات کو بھی اور اسے بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو۔''

آیت ۱۱۱ ﴿وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''اور میں نہیں جانتا' شاید کہ (اس تاخیر میں) تمہارے لیے کوئی آزمائش ہو اور کچھ مدت تک تمہیں فائدہ (اٹھانے کی مہلت) دینا مقصود ہو۔''

شاید اس عذابِ موعود کے واقع ہونے میں تاخیر کی وجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں کچھ عرصہ اور رہنے بسنے کی مہلت دے کر تم لوگوں کو مزید آزمانا چاہتا ہو اور اس کے لیے وہ تم لوگوں کو مزید Fresh lease of existance عطا کر دے۔ لیکن بالآخر ہوگا وہی جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عذاب کا آنا ایک شدنی امر ہے اور وہ آ کر رہے گا۔

آیت ۱۱۲ ﴿قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''رسولؐ نے کہا: پروردگار! اب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔''

چونکہ کفار کے ساتھ کش مکش اور ردّ و کدح کا سلسلہ بہت طوالت اختیار کر گیا تھا' اس لیے خود حضور ﷺ بھی چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب آخری فیصلہ آ جانا چاہیے۔

﴿وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''اور ہمارا رب رحمٰن ہے' جس سے مدد طلب کی جاتی ہے اُن باتوں کے خلاف جو تم بنا رہے ہو۔''

اس فرمان کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں۔ گویا حضور ﷺ مشرکین کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں کہ اے گروہِ منکرین! تم لوگوں کی مخالفت' ہٹ دھرمی اور سازشوں کے خلاف میں اپنے پروردگار سے مدد کا طلب گار ہوں جو مجھ پر بہت مہربان ہے۔ چنانچہ پچھلے کئی برس سے جو رویہ تم لوگ میرے خلاف' میری دعوت کے خلاف اور میرے پیروکاروں کے خلاف اپنائے بیٹھے ہو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ یقیناً ہماری مدد فرمائے گا اور تم لوگوں کو تمہارے کرتوتوں کی قرار واقعی سزا دے گا۔

بارك الله لی ولكم فی القرآن العظیم ' ونفعنی وایّاكم بالآیات والذِّكر الحكیم○○

[تمت سورۃ الانبیاء]

زہد کی حقیقت وفضیلت

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا ۲۷ جون ۲۰۰۸ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝۲۰ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝۲۱﴾ (القیامۃ)

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۷﴾ (الاعلیٰ)

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷﴾ (الکھف)

عَنْ اَبِی الْعَبَّاسِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُہٗ اَحَبَّنِیَ اللّٰہُ وَاَحَبَّنِی النَّاسُ، فَقَالَ:

((ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي اَيْدِي النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ)) (۱)

سیدنا ابوالعباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے‘ جب میں اسے بجالاؤں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ‘ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا‘ اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز رہو‘ لوگ تم سے محبت کریں گے۔‘‘

(۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الزھد‘ باب الزھد فی الدنیا۔

معزز سامعین کرام!

دین اسلام کی تعلیمات کے عملی پہلو کا لُبِ لُباب اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ انسان طالبِ دنیا نہ رہے‘ طالبِ آخرت اور طالبِ عقبیٰ بن جائے۔ یہ گویا ایک طرح کا لٹمس ٹیسٹ ہے بایں طور کہ کسی شخص کی ایمانی کیفیت کے بارے میں اندازہ کرنا ہو تو اس کی طلبِ دنیا اور طلبِ عقبیٰ کا حال دیکھ لیجیے۔

دنیوی واُخروی زندگی کی حیثیت اور ہماری ترجیحات

دُنیوی اور اُخروی زندگی کی کیا حیثیت ہے اور ہماری ترجیحات کیا ہیں؟ یہ موضوع قرآنِ مجید کے بے شمار مقامات پر آیا ہے۔ ’’مُشتے نمونہ از خروارے‘‘ کے طور پر میں نے ابتدا میں تین آیات کی تلاوت کی ہے۔ سورۃ القیامہ میں اللہ تعالیٰ شکوہ کے انداز میں نوعِ انسانی سے کہہ رہے ہیں: ﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝۲۰ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝۲۱﴾ ’’ہرگز نہیں! اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی ملنے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت کرتے ہو۔ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو‘‘۔ یعنی تمہارا اصل مرض یہ ہے کہ تم لوگ ’’حُبِ عاجلہ‘‘ میں مبتلا ہو‘ اپنی دنیا کی زندگی اور دنیا کے مال واسباب سے محبت کرتے ہو اور اس کے مقابلے میں آخرت کو بالکل ہی نظر انداز کیے ہوئے ہو۔ پھر یہی بات سورۃ الاعلیٰ میں بایں الفاظ فرمائی گئی: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۷﴾ ’’بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ جبکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی‘‘۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا فانی اور چند روزہ ہے۔ اول تو پوری دنیا ہی فانی ہے اور ایک دن پوری کائنات نے ختم ہو جانا ہے‘ پھر اس میں ہماری کیا حیثیت ہے۔ ہماری زندگی تو بس چند سال کی ہے‘ جبکہ اللہ کا ایک دن ہزار برس کا ہے‘ لیکن ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ ہم آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ’’ترجیح‘‘ دیتے ہیں۔ اس لفظ ترجیح کو نوٹ کیجیے۔ یہ بات واضح ہے کہ ہمارا دین یہ نہیں کہتا کہ دنیا کو چھوڑ دو۔ ترکِ دنیا تو رہبانیت ہے اور وہ اسلام میں نہیں ہے۔ لیکن مطلوب طرزِ عمل یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کو ترجیح دو اور اس ضمن میں کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ ع ’’بازار سے گزرا ہوں‘ خریدار نہیں ہوں!‘‘

دنیا کا بناؤ سنگھار ذریعۂ آزمائش ہے!

تیسری آیت جو میں نے ابتدا میں تلاوت کی‘ وہ سورۃ الکہف کی آیت ۷ ہے اور اس میں یہ بات بڑے ہی کانٹے دار انداز میں کہی گئی ہے—— سورۃ الکہف کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجالی فتنے سے بچنا چاہتے ہو تو سورۃ الکہف کی ابتدائی دس آیات کی تلاوت کرو۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آخری آیات کی تلاوت کرو اور بعض روایات میں آتا ہے کہ پوری سورۃ الکہف کی تلاوت کرو۔ سورۃ الکہف اور فتنہ دجال کے مابین کیا ربط و تعلق ہے‘ اس پر میرے مفصل دروس موجود ہیں جن کا مطالعہ مفید رہے گا—— اس سورۃ کے پہلے رکوع میں یہ آیت آئی ہے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷﴾ ’’یقیناً ہم نے بنا دیا ہے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار تاکہ انہیں ہم آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں‘‘۔ دُنیا کے یہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ دراصل انسان کی آزمائش کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ایک طرف دنیا کی یہ سب دلچسپیاں اور رنگینیاں ہیں اور دوسری طرف اللہ اور اس کے احکام ہیں۔ انسان کے سامنے یہ دونوں راستے کھلے چھوڑ کر دراصل یہ دیکھنا مقصود ہے کہ وہ ان میں سے کس کا انتخاب کرتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے‘ اس عروس ہزار داماد کے عشق کے اندر مبتلا ہو کر ساری دوڑ دھوپ اور دن رات کی محنت و مشقت اسی کے لیے کرتا ہے یا اپنے خالق و مالک کو پہچانتے ہوئے اس کے احکام کی تعمیل کو اپنی زندگی کا اصل مقصود سمجھتا ہے اور آخرت کا طالب ہو کر دنیا کو صرف بقدرِ ضرورت استعمال کرتا ہے۔

اس بات کو بہت پیارے انداز میں ایک شعر میں یوں کہا گیا ہے: ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے!

ایک طرف ہمارے محبوبِ حقیقی کا دمکتا ہوا روشن چہرہ ہے اور دوسری طرف یہ دنیا کی روشنی اور چمک ہے جو حقیقی نہیں ہے‘ اب دیکھنا اصل میں یہ ہے کہ پروانہ اُدھر جا رہا ہے یا اِدھر آ رہا ہے۔

اسی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو زیبائش اور آرائش سے نوازا ہے اور یہ آرائش و زیبائش آج اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ یہ دنیا اتنی حسین کبھی بھی نہیں تھی جتنی کہ آج ہے۔ دنیا کا حسن دبئی‘ یورپ‘ امریکہ‘ ابوظہبی اور سعودی عرب میں جا کے دیکھئے‘ وہاں آپ کو دنیا کی آرائش و زیبائش اپنی انتہا پر نظر آئے گی۔ پھر ظاہر بات ہے کہ آدمی اس کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔ اس دنیا کو دلہن کی طرح بناؤ سنگھار کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا گیا ہے اور ہمارا امتحان یہ ہے کہ ہماری ساری توجہ اور محبت اسی پر مرکوز ہو جاتی ہے یا ہماری محبت کا مرکز و محور اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرار پاتا ہے۔

زہد: محبوبِ الٰہی بننے کا خصوصی ذریعہ

اربعین نووی کی زیر مطالعہ حدیث (حدیث نمبر ۳۱) بھی اسی موضوع سے متعلق ہے۔ سیدنا ابوالعباس سہل بن سعد الساعدی ؓ فرماتے ہیں: جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! ’’ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ’’دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهُ اَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِي النَّاس ’’میری راہنمائی فرمایئے کسی ایسے عمل کی طرف کہ جب میں اس پر عمل کرلوں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں‘‘۔ یعنی کوئی ایسا عمل بتلایئے کہ جس کے کرنے سے میں اللہ کا بھی محبوب بن جاؤں اور لوگوں کا بھی محبوب بن جاؤں۔ تمنا بہت اچھی اور بہت عمدہ ہے۔ صحابیؓ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں کی فکر تھی اور انہوں نے ترجیح آخرت کو دی کہ اللہ کو مقدم رکھا‘ کہ میں اللہ کا بھی محبوب بن جاؤں اور دنیا کا بھی محبوب بن جاؤں۔ اس کے جواب میں محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا ‘ يُحِبَّكَ اللّٰهُ)) ’’دنیا سے زہد اختیار کرو‘ اللہ تم سے محبت کرے گا‘‘۔ یعنی دنیا کی آسائشوں‘ آرائشوں‘ عیاشیوں‘ لذتوں سے بچو‘ انہیں کم سے کم رکھو تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

ہمارے ہاں عموماً زہد و قناعت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ قناعت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کم سے کم پر راضی رہنا اور زیادہ کی ہوس کا نہ ہونا‘ یعنی اپنے سے زیادہ والوں کو دیکھ کر کوئی

رشک نہ آئے کہ ان کے اوپر تو اللہ کی بڑی رحمتیں ہیں۔ بس یہ جذبہ ہو کہ اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے اور جس حال پر مجھے رکھا ہے اس پر میں شکر ادا کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اگر وہ مجھے زیادہ دے دیتا تو میرے اندر اخلاقی طور پر زوال آ جاتا اور میں عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں مبتلا ہو جاتا۔ لہٰذا میرے لیے یہ کمی درحقیقت بہت بڑی غنیمت ہے اور اسی میں میرے لیے عافیت ہے۔

دنیا کی بے بضاعتی

اب اس کے ضمن میں‘ میں دو اور احادیث آپ کو سناتا ہوں جو بہت ہی عمدہ ہیں۔ یوں سمجھئے کہ جوامع الکلم میں سے ہیں۔ پہلی حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں‘ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے مجھے میرے کندھے سے پکڑا اور فرمایا: ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ))(۱) ’’دیکھو دنیا میں ایسے رہو گویا تم اجنبی ہو یا راستہ چلنے والے مسافر ہو‘‘۔ یعنی دنیا کے معیارات کے اعتبار سے نامور و مشہور ہو جانا‘ صاحبِ اقتدار ہو جانا‘ صاحبِ ثروت ہو جانا‘ یہ مطلوب نہیں ہونا چاہیے‘ بلکہ دنیا میں ایسے رہنا چاہیے جیسے کہ اجنبی ہو۔ یہ دنیا تمہارا وطن نہیں ہے‘ بلکہ تمہارا اصل وطن اور تمہارا اصل گھر تو آخرت میں ہے۔ یہ دنیا تو عارضی ٹھکانہ ہے اور تمہیں یہاں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے۔ سورۃ الملک میں فرمایا: ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (آیت۲) ’’(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے‘‘۔ کبھی اللہ دے کر آزماتا ہے کہ بندہ شکر کرتا ہے یا نہیں اور کبھی چھین کر آزماتا ہے کہ صبر کرتا ہے یا نہیں! صابر و شاکر کے الفاظ اردو میں بھی ہمارے ہاں جڑ کر آتے ہیں۔ اگر کوئی تکلیف آ گئی یا کوئی نقصان ہو گیا یا کوئی بیماری آ گئی تو انسان اسے اللہ کی طرف سے سمجھتے ہوئے صبر کرے اور کوئی بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ آنے پائے۔ سورۃ الحدید میں فرمایا:

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الرقاق‘ باب قول النبی ﷺ کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل۔ وسنن الترمذی‘ ابواب الزھد‘ باب ما جاء فی قصر الامل۔

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۝۲۲ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىکُمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝۲۳﴾

’’نہیں پڑتی کوئی پڑنے والی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری اپنی جانوں میں مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں درج ہے‘ اس سے پہلے کہ ہم اسے ظاہر کریں۔ یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ تاکہ تم افسوس نہ کیا کرو اُس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور اس پر اِترایا نہ کرو جو وہ تمہیں دے دے۔ اور اللہ کو بالکل پسند نہیں ہیں اِترانے والے اور فخر کرنے والے۔‘‘

شکر کے لوازم

اس کے برعکس اگر اللہ نے انسان کو اپنے انعامات سے نوازا ہے تو پھر انسان کے اندر شکر کے جذبات ہونے چاہئیں۔ امام راغبؒ کے مطابق شکر میں تین چیزیں شامل ہیں: شکر بالقلب‘ شکر باللسان اور شکر بالجوارح۔ دل میں اللہ کے احسان کی عظمت قائم ہو جائے‘ یہ شکر بالقلب ہے۔ پھر احسان مندی کے جذبات دل میں سے اُبھریں جیسے کسی چشمے میں سے پانی اُبلتا ہے اور وہ جذبات زبان سے الفاظ کی صورت میں ادا ہوں تو یہ شکر باللسان ہے۔ آپ بھوکے تھے‘ کمزوری محسوس کر رہے تھے‘ اللہ نے کھانے کو کچھ دے دیا تو اب شکر ادا کرو اور اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سکھائی ہے: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ)) ’’کُل شکر اور کُل ثنا اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے (بھوک میں) کھانا کھلایا اور (پیاس میں) پانی پلایا اور مجھے مسلمانوں میں سے بنایا‘‘۔ اسی طرح باقی نعمتوں پر بھی اللہ کی حمد اور اللہ کا شکر لازمی ہے‘ یہاں تک کہ آپ بیت الخلاء میں گئے‘ فراغت ہو گئی‘ پہلے طبیعت بوجھل تھی‘ اب طبیعت کے اندر انشراح پیدا ہو گیا تو آپ باہر نکل کر یہ دعا پڑھیں: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ)) ’’کُل شکر اور کُل ثنا اللہ کے لیے ہے جس نے مجھ سے اذیت بخش چیز کو دور کر دیا اور مجھے عافیت بخشی‘‘۔ سوچئے اگر آپ کا پیشاب رک

جائے تو آپ کا کیا حشر ہوگا؟ وہ حشر جو ہوگا سو ہوگا‘ لیکن اس کے ساتھ جو زہریلے جراثیم‘ جس کو انسان پیشاب کے ذریعے سے خارج کرتا ہے‘ جسم کے اندر ہی رہیں گے تو وہ آپ کے اندر ایک قیامت برپا کر دیں گے۔ اسی طرح اگر آپ کو اجابت نہیں ہو رہی‘ شدید قبض ہوگئی ہے تو اس صورت میں بھی آپ کا حال برا ہو جائے گا۔ چنانچہ اس دعا میں کتنے پیارے الفاظ آئے ہیں کہ ’’اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ ‘‘ (مجھ سے اذیت بخش چیز کو دور کر دیا اور مجھے عافیت بخشی)—— بہرحال زبان سے شکر کے جذبات کا اظہار کرنا شکر باللسان ہے۔

اسی طرح ایک شکر بالجوارح ہے‘ یعنی اپنے جسم کے تمام اعضاء سے شکر کرنا اور اللہ کی تمام نعمتوں کو صحیح صحیح استعمال کرنا۔ اگر آپ نے کسی نعمت کو غلط استعمال کیا تو یہ ناشکری اور کفرانِ نعمت ہوگا۔ یا اللہ نے آپ کو ایک نعمت دی اور آپ نے وہ نعمت استعمال ہی نہیں کی تو یہ بھی کفرانِ نعمت کے زمرے میں آتا ہے۔ بنی نوعِ انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام قرآن مجید ہے اور اگر آپ نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی‘ تو یہ سب سے بڑا کفرانِ نعمت ہے‘ اس لیے کہ نعمتِ ہدایت سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ ہدایت وہ نعمت ہے کہ اس کے بغیر کوئی شے نعمت نہیں رہتی۔ آپ اولاد کو‘ دولت کو‘ اقتدار کو اور شہرت کو نعمت سمجھتے ہیں‘ لیکن اگر ہدایت نہیں ہے تو یہ چیزیں نعمت نہیں رہیں گی‘ بلکہ زحمت بن جائیں گی اور آپ ان کا غلط استعمال کریں گے۔ پھر آپ اولاد کی بھی غلط تربیت کریں گے تو کل قیامت کے دن اللہ پوچھے گا کہ یہ تمہارے پاس میری امانت تھی‘ تم نے اس کی کیسے تربیت کی؟ تم نے اسے میرا بندہ بنا کر اٹھانے کی کوشش کی یا دنیا کی طلب میں لگا کر مجھ سے غافل بنا دیا؟ خود بھی اسی میں لگے رہے اور اسے بھی لگا دیا تو یہ ہے نعمت کا کفران‘ جبکہ نعمت کا صحیح صحیح استعمال کرنا‘ یہ ہے شکر بالجوارح۔

دنیا ہمارا اصل وطن‘ گھر اور منزل نہیں ہے!

دوسری حدیث بھی سن لیجیے۔ یہ بھی بڑی پیاری حدیث ہے۔ حضرت علقمہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهٖ

فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً؟ فَقَالَ ’’ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بوریے پر سو کر اُٹھے تو آپؐ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات تھے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم آپؐ کے لیے ایک بچھونا بنا دیں‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا لِي وَمَا لِلدُّنْيَا مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا)) (۱)

’’مجھے دنیا سے کیا غرض‘ میں تو دنیا میں اس طرح ہوں کہ جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سائے کی وجہ سے بیٹھ گیا پھر وہاں سے روانہ ہوگیا اور درخت کو چھوڑ دیا۔‘‘

ظاہر بات ہے کہ وہ درخت اس سوار کا عارضی قیام تھا۔ وہ اُس کا وطن‘ اُس کا گھر یا اس کی منزل نہیں تھی۔ اسی طرح سے یہ دنیا بھی ہماری منزل‘ ہمارا گھر‘ اور ہمارا وطن نہیں ہے۔ ایک موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا: ((فَإِنَّمَا خُلقتم لِآخِرَةٍ والدُّنْيَا خُلِقْتُ لَكُمْ)) (۲) ’’تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو اور یہ دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے‘‘۔ پھر اسی دنیا میں ہمارا امتحان بھی ہو رہا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے کی تمام چیزیں اسی دنیا میں رکھی ہیں‘ ان کو استعمال کرو‘ لیکن اس دنیا کو مطلوب و مقصود اور محبوب نہ بنا لو۔

ہمارے علماء اس کی بڑی پیاری مثال دیتے ہیں کہ ہم دنیا میں کشتی کی مانند ہیں۔ کشتی پانی میں ہے تو عافیت ہے‘ لیکن اگر کشتی میں پانی آ گیا تو اب تباہی و بربادی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں مسافر اور سوار کی طرح رہو جو کسی درخت کے سائے میں آرام کرنے کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے رکتا ہے اور پھر وہ اس درخت کو چھوڑ کر اپنی اصل منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ پر عجیب کیفیت طاری ہے جیسے آپؐ کسی

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب الزهد‘ باب ما جاء فی اخذ المال بحقه۔

(۲) رواه البيهقی فی شعب الايمان۔

چیز کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دھکا دے کر اپنے سے دور کر رہے ہوں۔ میں کچھ دیر تک دیکھتا رہا' پھر میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! یہ کیا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا ایک نہایت خوبصورت عورت کی شکل میں میرے سامنے لائی گئی' تو میں اسے دھکے دے رہا تھا کہ مجھے تم سے کیا سروکار! تو یہ ہے اصل میں زہد فی الدنیا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ کے محبوب بن جاؤ تو دنیا میں زہد اختیار کرو۔

انسان کیسے لوگوں کا محبوب بن سکتا ہے؟

اگلا معاملہ اس سے بھی زیادہ عملی ہے۔ اخلاقیات کے اندر یوں سمجھئے کہ یہ بلند ترین تعلیمات میں سے ہے۔ انسان لوگوں کا محبوب کیسے بن سکتا ہے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَازْهَدْ فِيْمَا فِيْ اَيْدِى النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ)) ''اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز رہو' لوگ تم سے محبت کریں گے''۔ ایسا نہ ہو کہ کسی دولت مند کو دیکھ کر یہ حسرت پیدا ہو جائے کہ یہ دولت میرے پاس کیوں نہیں؟ یا حسد تو نہ آئے' لیکن رشک کے انداز میں ایسی بات آ جائے تو یہ احساس زہد کے خلاف ہو جائے گا۔ اگرچہ رشک کرنا حرام نہیں ہے' حسد حرام ہے' لیکن رشک زہد کے خلاف ہے جو ایک بہت اونچا رتبہ ہے۔

اگر انسان لوگوں کے مال و دولت سے بے نیاز رہے اور دولت مند دیکھے کہ یہ آدمی میرے پاس میری دولت کی وجہ سے نہیں آیا' یہ مجھے کوئی کلمہ خیر کہنے کے لیے آیا ہے' یا حقوق العباد میں سے کسی حق کو ادا کرنے کی تلقین کرنے کے لیے آیا ہے' یا میں مریض تھا تو میری عیادت کرنے آ گیا ہے' اسے میری دولت سے کوئی سروکار نہیں' اس کے اندر میں نے کوئی لالچ محسوس نہیں کی اور اس کی آنکھوں کے اندر مجھے کوئی ہوس نظر نہیں آ رہی۔ اگر ایسا ہو گا تو وہ شخص آپ سے محبت کرے گا اور آپ کا مقام اس کی نگاہ میں بلند ہو جائے گا۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وہ محسوس کرے گا کہ یہ میری دولت سے مرعوب ہو گیا ہے' یا میرے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر اس کے دل میں حسرت پیدا ہوئی ہے' یا یہ تو بڑی للچائی ہوئی نظروں سے میری قیمتی چیزوں کو دیکھ رہا ہے تو وہ آپ سے محبت تو دور

کی بات ہے' نفرت کرے گا۔

الغرض' زیر مطالعہ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ بحیثیت مجموعی دنیا' دنیا کی زندگی' دنیا کی آسائشوں' آرائشوں' نعمتوں' لذتوں اور دنیا کی تعیّشات سے بچیں تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور زہد اور بے نیازی اختیار کریں ان چیزوں کے بارے میں جو لوگوں کے پاس ہیں تو اس سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی وقعت بڑھ جائے گی اور لوگ آپ سے محبت کریں گے۔ یہ درحقیقت ہمارے لیے اخلاقی تعلیم کے اعتبار سے کانٹے کی بات ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی آرائش و زیبائش اور دنیا کے ساز و سامان سے ہماری حفاظت فرمائے اور صحیح معنوں میں ہمیں اس حدیث کا مصداق بنائے۔ آمین یارب العالمین!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

(مرتب: حافظ محمد زاہد' ادارتی معاون' شعبہ مطبوعات)

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو' ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

تحفّظِ ناموسِ رسالت

تصوّر، عصری صورتِ حال اور تقاضے

قُرۃ العین خنساء☆

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

سید الانبیاء حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے محبت و عقیدت ہر مسلمان کے ایمان کا بنیادی جزو ہے اور کسی بھی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک رسول کریم ﷺ کو تمام رشتوں سے بڑھ کر محبوب و مکرم نہ جانا جائے۔ فرمان نبویؐ ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) (۱)

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کو اُس کے باپ' اُس کی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

یہی وجہ ہے کہ اُمت مسلمہ کا شروع دن سے ہی یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے محبت و تعلق کے بغیر ایمان کا دعویٰ بالکل غلط اور باطل ہے۔ ہر دور میں اہل ایمان نے آپؐ کی شخصیت کے ساتھ تعلق و محبت کی لازوال داستانیں رقم کیں اور اگر تاریخ کے کسی موڑ پر کسی بدبخت نے آپ ﷺ کی شان میں کسی بھی قسم کی گستاخی کی تو مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے شتم رسول کے مرتکبین کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ چند سال قبل ڈنمارک اور ناروے وغیرہ کے بعض آرٹسٹوں نے جو آپ ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں خاکے بنا کر مذاق اڑایا' جس سے پورا عالمِ اسلام مضطرب اور دل گرفتہ ہوا تو نبی کریم ﷺ سے عقیدت و محبت کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے اہلِ ایمان سراپا احتجاج بن گئے اور سعودی عرب نے' جن ملکوں میں نازیبا حرکت ہوئی' ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا۔

☆ بی ایس آنرز' اسلامک سٹڈیز' شیخ زید اسلامک سنٹر' جامعہ پنجاب' لاہور

زیرِ نظر مضمون میں ہم درج ذیل باتوں کا جائزہ لیں گے:

i) ناموسِ رسالت اور اس کا تصور
ii) توہین رسالت کیا ہے؟
iii) توہین رسالت کا تاریخی پس منظر اور شہدائے ناموسِ رسالت
iv) شرعِ اسلامی میں شاتم رسولؐ کی سزا
v) قانونِ توہینِ رسالت
vi) مغرب توہینِ رسالت کا مرتکب کیوں ہوتا ہے؟
vii) مغرب کا نقطۂ نظر: آزادیٔ اظہارِ رائے
viii) کیا ایک مسلمان بھی اہانت رسولؐ کا مرتکب ہوسکتا ہے؟
ix) عصری صورتِ حال اور تقاضے
x) مسلم اُمت کی ذمہ داری

ناموسِ رسالت اور اس کا تصور

حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اہل ایمان کے لیے ان کے جان و مال اور عزت و آبرو سے زیادہ عزیز ہے' کیونکہ ہماری روحانی زندگی اور ہمارے ایمان کا دار و مدار آپ ﷺ کی ذات سے تعلق پر ہے (۲)۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ﴾ (الاحزاب:٦)

''یقیناً نبیؐ کا حق مؤمنوں پر خود اُن کی جانوں سے بھی زیادہ ہے اور نبیؐ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی ایک مسلمان کے روحانی تشخص کا وسیلہ ہے اور ان کی نسبت کے بغیر انسان مؤمن نہیں ہوسکتا' بلکہ انسان کی انسانیت کا صحیح مرتبہ ایمان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ ایمان روحانی زندگی کی اساس ہے اور ایمان کی اساس حضور اکرم ﷺ کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس وابستگی کے کئی مظاہر ہیں' مثلاً آپؐ سے محبت' آپؐ کی اطاعت و اتباع' آپؐ کی تعظیم و توقیر اور آپؐ کی نصرت۔ (۳)

(۱) **محبت**: نبی اکرم ﷺ سے محبت ایک مسلمان کے ایمان کی دلیل ہے اور اس محبت کے ذریعے سے وہ اپنے ایمان میں پختہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))(۴)

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کو اُس کے باپ' اُس کی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

قرآن مجید نے جہاں اللہ تعالیٰ سے محبت کا تذکرہ کیا وہیں رسول کریم ﷺ سے محبت کو بھی شامل کیا ہے:

﴿قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ .....﴾ (التوبۃ:۲۴)

''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ' تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی' تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)' تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں' اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے' اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں' (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کے رستے میں جہاد سے.....''

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو اکٹھے بیان کیا ہے:

((ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ [وَقَالَ بُنْدَارٌ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ] مَنْ کَانَ یُحِبُّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ' وَمَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا' وَمَنْ کَانَ اَنْ یُلْقٰی فِی النَّارِ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یَرْجِعَ فِی الْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَہُ اللّٰہُ مِنْہُ))(۵)

''جس شخص میں تین خوبیاں ہوں اس نے ایمان کا ذائقہ (حلاوت) چکھ لیا: (۱) جو شخص کسی سے صرف اللہ (کی رضا) کے لیے محبت رکھے' اور (۲) جسے اللہ اور اس کے رسول سے باقی ہر چیز (اور انسان) سے بڑھ کر محبت ہو' اور (۳) جسے دوبارہ کفر اختیار کرنے سے آگ میں گرنا زیادہ پسند ہو بعد ازیں کہ اللہ نے اسے کفر سے نجات دی۔''

جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے!

(۲) **اطاعت و اتباع**: ایمان کا دوسرا تقاضا اطاعت و اتباع کا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی

ذات کو ایک اُسوۂ کامل بنا کر بھیجا گیا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپؐ کی اطاعت و اتباع کریں' بلکہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اللہ سے محبت کا تقاضا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی اتباع کی جائے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾ (آل عمران)

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔ کہہ دیجیے اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی۔ پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو (یاد رکھیں کہ) اللہ کو ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔''

سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ﴾ (آیت ۸۰)

''جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔''

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ))(۶)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔''

(۳) **تعظیم**: تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے مقام و مرتبے کا لحاظ رکھا جائے اور کوئی ایسی بات اور کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے آپ ﷺ کے وقار میں کمی آئے' مثلاً مسلمانوں کو حضور اکرم ﷺ کی حیات دنیوی میں یہ ادب سکھایا گیا کہ آپؐ سے اونچی آواز میں بات نہ کریں' مبادا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾﴾ (الحجرات)

''اے ایمان والو! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبی (ﷺ) کی آواز پر اور نہ ان سے گفتگو میں آواز کو اس طرح بلند کیا کرو جس طرح تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کرتے

ہوئے اپنی آواز بلند کرتے ہو' مبادا تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں شعور تک نہ ہو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الاعراف)

''تو جو لوگ آپ (ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور آپ (ﷺ) کی تعظیم کریں گے اور آپ (ﷺ) کی مدد کریں گے اور پیروی کریں گے اُس نور کی جو آپ (ﷺ) کے ساتھ نازل کیا جائے گا' وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

توہین رسالت کیا ہے؟

اسلامی شرع کے تحت ''بے حرمتی و کفر گوئی'' کی اصطلاح کا اطلاق خاص اعمال' کلمات یا تحریرات پر ہوتا ہے۔ اس زمرے میں مندرجہ ذیل میں سے سب کے سب آتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کو تحریر میں یا زبان سے گالی دینا' یا ان کی بے عزتی کرنا' ان کی یا ان کے اہل بیت کے بارے میں تحقیری یا ذلت آمیز کلمات کہنا' رسول اللہ ﷺ کے وقار و عزت پر بدزبانی کر کے حملہ کرنا' ان کو بدنام کرنا یا جب ان کا نام آئے تو منہ بنانا' ان کے لیے' ان کے اہل بیت' ان کے صحابہ اور مسلمانوں کے لیے عداوت یا نفرت کا اظہار کرنا' رسول اللہ یا ان کے اہل بیت پر تہمت لگانا اور ان کے بارے میں بدخبریں اڑانا' رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنا' رسول اللہ ﷺ کے دائرۂ اختیار یا فیصلہ کو کسی طور پر نہ ماننا' سنت نبویہ سے انکار کرنا' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا' حقوق اللہ اور حقوق رسولؐ سے انکار کرنا یا اللہ اور اس کے رسولؐ سے بغاوت کرنا۔''

درج بالا میں سے کسی ایک کا مرتکب ہونا شرع اسلامی میں توہین رسالت اور بے حرمتی کے زمرے میں آتا ہے۔ (۷)

توہینِ رسالت کا تاریخی پس منظر

محمدؐ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے لیے مرکزِ ملّت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوائل اسلام سے ہی ہر دور کی باطل قوتوں نے آپ ﷺ کی بڑھتی ہوئی دعوت کو روکنے کے لیے ہزار جتن کیے لیکن ہر محاذ پر منہ کی کھائی اور شکست کھانے کے بعد وہی گھسا پٹا حربہ استعمال کیا کہ اس تحریک کی رہبری

کرنے والی شخصیت کو مجروح کیا جائے اور اس کے لیے انہوں نے ہر اخلاقی حد کو پھلانگتے ہوئے رحمۃ للعالمین ﷺ کو تضحیک و تحقیر کا نشانہ بنایا اور یہ قبیح حرکت ہر دور میں کی جاتی رہی۔ (۸)

☆ ابولہب نے رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔

☆ کعب بن اشرف یہودی نے گستاخیاں کیں۔

☆ ابورافع یہودی نے بھی گستاخی کی۔

☆ ایک نابینا صحابی کی اُمّ ولد لونڈی رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہذیان بکا کرتی تھی۔

☆ عبداللہ بن خطل اور اس کی دونوں لونڈیاں نبی کریم ﷺ کی اہانت کیا کرتی تھیں۔ (۹)

☆ ۱۹۲۳ء میں لاہور میں راج پال نے رسوائے زمانہ کتاب ''رنگیلا رسول'' شائع کی جس میں نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی گئی۔ (۱۰)

☆ ۱۹۳۳ء میں نتھو رام نے ''ہسٹری آف اسلام'' نامی ایک کتاب لکھی جس میں پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ اَقدس کو ہدفِ تنقید و ملامت بنایا اور شانِ رسالت میں گستاخانہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے۔ (۱۱)

☆ موجودہ دور میں سلمان رشدی نے ''شیطانی آیات'' کے نام سے ناول لکھا اور عاصمہ ملعونہ نے آپ ﷺ کی ذات مبارکہ پر حملے کیے۔ (۱۲)

☆ ستمبر ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے اخبار نے پہلی بار توہین آمیز خاکے شائع کیے۔ (۱۳) پھر یہ سلسلہ چل پڑا اور گاہے بگاہے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

☆ ہالینڈ کی پارلیمنٹ کے رکن وانلڈرس نے قرآن اور اسلام پر مبنی توہین آمیز فلم ''فتنہ'' بنائی۔ پندرہ منٹ کی یہ فلم انٹرنیٹ پر جاری کی گئی۔ (۱۴)

☆ ایک اور امریکی باشندے سام بیسائل نے ایک فلم ''مسلمانوں کی معصومیت'' کے نام سے بنائی۔ (۱۵)

☆ امریکی ریاست فلوریڈا کے ایک دشمن رسول ٹیری جونز نے قرآن مجید کو نذر آتش کیا۔ (۱۶)

گستاخیوں کا سلسلہ شروع سے لے کر آج تک جاری ہے اور کفار مختلف حیلوں بہانوں سے ہرزہ سرائی کرتے رہے ہیں۔ کفر اور حق کا ٹکراؤ شروع سے رہا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اہانتِ رسولؐ سے تین طرح کے حقوق میں کمی

i) اللہ کے حق میں کمی جس نے آپ ﷺ کی ذات کو پیغامِ رسالت کا مرکز ومحور بنایا۔

ii) پھر نبی کریم ﷺ کی ذات کا حق اس سے متاثر ہوتا ہے کہ آپؐ پر سب وشتم اور الزام تراشی کر کے صریح بہتان کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کا شخصی حق ہے۔

iii) اور توہین رسالت کے ذریعے شمعِ رسالت کے پروانوں یعنی محبان رسولؐ اور پوری اُمتِ محمدیہ کا حق مجروح کیا جاتا ہے۔ (۱۷)

شہیدانِ ناموسِ رسالت ﷺ

بقول مولانا ظفر علی خانؒ ؎

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

رسالت مآب ﷺ کی خاطر اپنی جان لٹانا سب سے بڑی سعادت ہے اور اس سے بڑی خوش بختی اور کوئی ہو نہیں سکتی۔ کفار جس طرح شروع سے ہی گستاخیاں کرتے چلے آ رہے ہیں اس طرح شیدایانِ مصطفیٰ ﷺ بھی شروع سے ہی انہیں کیفر کردار تک پہنچاتے اور اپنی جانیں حرمت رسول پر لٹاتے چلے آ رہے ہیں۔ چند خوش نصیب مسافر جو اس راہ کے راہی ہوئے۔

☆ کعب بن اشرف سے نبٹنے والے جانباز صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

☆ ابو رافع یہودی کو قتل کرنے والے صحابی عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ تھے۔

☆ نابینا صحابی نے خود اپنی لونڈی کو قتل کر دیا۔

☆ ابن خطل کو بھی قتل کر دیا گیا' اسے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

☆ راج پال پر پہلا حملہ غازی خدا بخشؒ نے کیا۔

☆ راج پال پر دوسرا حملہ غازی علم الدین شہیدؒ نے کیا اور اسے واصل جہنم کیا۔

☆ نتھو رام پر غازی عبدالقیومؒ نے حملہ کر کے خود جامِ شہادت نوش کیا۔

☆ غازی محمد صدیقؒ بھی اسی سفر کے راہی ہوئے اور دریدہ دہن گستاخ رسول پالامل کو ہلاک کر کے خود جنتوں کے مسافر بنے۔

☆ غازی عبداللہ شہیدؒ نے بدبخت سکھ چلجل سنگھ کو واصل جہنم کیا اور خود جنتوں کے امین بنے۔ (۱۸)

☆ مارچ ۲۰۰۶ء میں ایک پاکستانی طالب علم عامر چیمہؒ نے اخبار ڈائی دبلٹ کے دفتر میں

داخل ہو کر راجہ کوین پر حملہ کی کوشش کی اور خود شہادت پائی۔ (۱۹)

☆ ممتاز قادری نے بھی حرمتِ رسول کی خاطر گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو قتل کیا اور تا حال جیل میں بند ہے۔

شرعِ اسلامی میں شاتمِ رسولؐ کی سزا

قرآن وحدیث کو حجت ماننے والا کوئی شخص کس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل کے علاوہ اور کچھ ہو سکتی ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے' چنانچہ وہ اہل سنت ہوں یا اہل تشیع پندرہ سو سال سے اس مسئلے پر کسی کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس مسئلے پر فقہائے اُمت میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''**الصارم المسلول علی شاتم الرسول**'' امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی ''**السیف المسلول علی من سب الرسول**'' علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی ''**تنبیہ الولاۃ والاحکام علی احکام شاتم خیر الانام**'' ان چند معروف کتب میں سے ہیں جو اس اجماع امت کو محکم دلائل اور شواہد کے ساتھ ثابت کرتی ہیں۔ (۲۰)

اس سلسلے میں پاکستان میں قانون سازی کی گئی ہے اور دفعہ 295-C کے تحت شاتم رسول کے لیے سزائے موت کی سزا رکھی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے والوں کے بارے میں حکم ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝۵۷﴾ (الاحزاب)

''یقیناً وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ نے لعنت کی ہے ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں اور ان کے لیے اُس نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ۝۹۵﴾

''ہم آپؐ کی طرف سے کافی ہیں ان استہزا کرنے والوں (سے نمٹنے) کے لیے۔''

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دینے والا واجب القتل ہے۔ (۲۱)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی' ایک آدمی نے اسے قتل کر دیا تو رسول کریم ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا۔ (۲۲)

کتاب وسنت' عہد نبوی وخلفائے راشدین اور تاریخ سے بڑی ٹھوس مثالیں ملتی ہیں جن

سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔

توہین رسالت کی سزا کیوں ضروری ہے؟

ناموسِ رسالت کے بارے میں غیرتِ الٰہی اس قدر حساس ہے کہ قرآن نے گستاخانِ رسول کو ہمیشہ سخت جواب دیا' ان پر لعنتیں بھیجیں' ان کو عذابِ الیم کی وعیدیں سنائیں۔ مثلاً ابولہب کی مذمت میں سورۃ اللہب نازل فرمائی۔ اُمیہ بن خلف کے بارے میں سورۃ الھمزۃ' اُبی بن خلف کے بارے میں سورۂ یٰسین کی آیات ۷۸ تا ۸۳' عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں سورۃ الفرقان کی آیات ۲۷ تا ۳۱' ولید بن مغیرہ کے بارے میں سورۃ الزخرف کی آیات ۳۱' ۳۲ اور سورۃ القلم کی آیات ۸ سے ۱۶' نضر بن حارث کے بارے میں سورۃ لقمان کی آیات ۶' ۷ اور عاص بن وائل کے بارے میں سورۃ الکوثر نازل ہوئی۔ (۲۳)

قانونِ توہینِ رسالت

۱۹۲۷ء میں ایک معمولی سی دفعہ 295-A کا ''تعزیراتِ ہند'' میں اضافہ کیا گیا جس کی رو سے توہین مذہب کے جرم کی سزا دو سال تک قید یا جرمانہ مقرر ہوئی مگر مسلمانوں کی اس سے اشک شوئی نہ ہوئی۔ جولائی ۱۹۸۴ء میں ایک خاتون کے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخانہ نازیبا الفاظ استعمال کیے جانے پر پاکستان کے تمام علماء و وکلاء کی جانب سے مذمت کی گئی اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فوری طور پر شاتم رسول کے بارے میں سزائے موت کا قانون منظور کرے۔ چنانچہ مشورے سے قومی اسمبلی میں تعزیراتِ پاکستان میں 295-C کا بل پیش کیا گیا جس کی رو سے شاتم رسول کی سزا سزائے موت تجویز کی گئی اور پھر یہ قانون مکمل طور پر سارے ملک میں لاگو ہو گیا۔ (۲۴)

مغرب توہین رسالت کا ارتکاب کیوں کرتا ہے؟

توہین آمیز خاکوں کے جائزہ سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہ سارا عمل ایک منصوبہ بندی کے تحت ہوتا ہے۔ اس کی چند ایک وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) مسلمانوں کی نبی کریم ﷺ سے محبت کو کم کرنا: پہلی وجہ اہل مغرب کی نبی کریم ﷺ سے عداوت و دشمنی ہے جس کا اظہار وہ مختلف طریقوں سے کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ روز اول سے ہی نبی پاک ﷺ سے مسلمانوں کے تعلق کو کمزور کرنے میں لگے ہوئے ہیں' اسی لیے وہ وقتاً فوقتاً تاجدار انبیاء ﷺ کی شان میں ہذیان بکتے رہتے ہیں۔

(۲) جہاد کو دہشت گردی ثابت کرنا: دین اسلام میں جہاد کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ جہاد کو اسلام کی چوٹی قرار دیا گیا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جب تک علم جہاد تھامے رہے فتح و کامرانی ان کے ماتھے کا جھومر رہے۔ اس لیے کفار مختلف حیلوں بہانوں سے مسلمانوں کو اس جہاد سے دور کر دینا چاہتے ہیں۔

(۳) یورپ و امریکہ میں پھیلتے ہوئے اسلام کو روکنا: اسلام اپنی انسانیت نواز خوبیوں کی وجہ سے روزِ اوّل سے ہی پھیلتا جا رہا ہے اور بالخصوص نائن الیون (۹/۱۱) کے بعد امریکہ و یورپ میں اسلام کی شرح میں اضافہ ہوا ہے' بس یہ بات انہیں ہضم نہیں ہو رہی اور وہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے حیلے بہانے کرتے رہتے ہیں۔

(۴) توہین رسالت کے بارے میں مسلمانوں میں بے حسی پیدا کرنا: اہل یورپ توہین آمیز خاکے اور اسلام مخالف فلمیں بنا کر توہین نبوت کے بارے میں مسلمانوں اور مسلمان رہنماؤں کے اندر بے حسی پیدا کرنا چاہتے ہیں' بایں طور کہ وہ توہین نبوت جس پر ان کے ایمان اور اعتقاد کا دار و مدار ہے اسے اہمیت نہ دیں' کیونکہ جب ایک کام بار بار کیا جائے تو وہ اتنا برا نہیں لگتا جتنا پہلی بار لگتا ہے۔

(۵) دنیا کو اسلامی تعلیمات سے برگشتہ کرنا: اسلام امن و امان' رواداری' حسن اخلاق اور مہر و وفا کا دین ہے' مگر کفار اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ یوں وہ اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اسلام کی طرف التفات نہ کریں۔ (۲۵)

(۶) مغرب کا معیارِ خیر و شر: دین اسلام میں خیر و شر کا معیار قانونِ الٰہی کے تحت عمل میں آیا جبکہ کفار کے ہاں معیارِ خیر و شر ان کا اپنا وضع کردہ ہے' بایں طور کہ جو چیز ان کے نزدیک اچھی ہو وہ خیر اور جو بری ہو اور انسان کو نقصان دے وہ بری ہے۔ لہٰذا وہ اپنے معیارِ خیر و شر کو برقرار رکھنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے رہتے ہیں۔

مغرب کا نقطۂ نظر: آزادیٔ اظہارِ رائے

فرانس کے اخبارات نے حال ہی میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں اہانت آمیز خاکے شائع کیے ہیں اور ''آزادیٔ اظہارِ رائے'' کو اپنا حق قرار دیا ہے۔ (۲۶) اس سلسلے میں میڈیا ہر جگہ آزادیٔ اظہارِ رائے کے حق کا تذکرہ کر رہا ہے۔ آزادیٔ اظہار کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ دوسروں کی حدود میں دخل اندازی کی جائے۔ ایک انسان جب آزادیٔ اظہارِ رائے کے

ذریعے دوسروں کے مقدس تصورات ونظریات اور رہنما شخصیت پر تنقید کرے گا تو یہ آزادی کی بجائے کھلم کھلا جارحیت کا ارتکاب ہوگا۔ دوسروں کے جذبات سے کھیلنا آزادیٔ اظہارِ رائے کی بجائے دہشت گردی کا ارتکاب ہے۔ جرمن مفکر عمانویل کانٹ کا مشہور مقولہ ہے کہ ''میں اپنے ہاتھ کو حرکت دینے میں آزاد ہوں لیکن جہاں سے تمہاری ناک شروع ہوتی ہے وہاں میرے ہاتھ کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔''(۲۷)

جرمنی کے آرٹیکل نمبر ۵ میں لکھا گیا ہے کہ ''ہر شخص کو تحریر وتقریر اور اظہارِ خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے'' مگر اس کے ذیلی آرٹیکل نمبر ۲ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ''یہ حقوق شخصی عزت وتکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کیے جاسکیں گے۔''(۲۸)

مسیحیوں کا روحانی پوپ فرانسس کہتا ہے کہ اظہارِ رائے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اور اس بہانے کسی مذہبی عالم کی توہین نہیں کی جاسکتی۔ پوپ نے کہا کہ میری ماں کے خلاف اگر کوئی نازیبا الفاظ کہے تو مکا کھانے کے لیے تیار رہے۔(۲۹)

تاہم آزادیٔ اظہارِ رائے کے حوالے سے امریکی صدر کا بیان ملاحظہ ہو:

"I know there are some who ask why we don't just ban such a video. The answer is enshrined in our laws, our constitution protects the right to practise free speech."

"Here in the United State countless publications provoke offence. Like me, the majority of Americans are Christian, and yet we donot ban blasphemy against our most sacred beliefs."

"As president of our country, and commander-in-chief of our military, I accept that people are going to call me awful things everyday, and I will always defend their right to do so."(30)

کیا ایک مسلمان بھی اہانتِ رسول کا مرتکب ہوسکتا ہے؟

یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ کفار تو اپنے اعمال بد سے گستاخیٔ رسول کے مرتکب ہوتے ہی ہیں، لیکن ایک مسلمان بھی اہانت رسول کا مرتکب ہوسکتا ہے اور اس کے چند ایک پہلو ہیں:

☆ نبی کریم ﷺ کی بات کے مقابلے میں کسی ولی یا بزرگ کی بات کو اہمیت دینا، ترجیح دینا۔

☆ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو ناکافی سمجھتے ہوئے ان میں اضافے کرنا۔

☆ رسول کریم ﷺ کے فیصلوں کو تسلیم نہ کرنا۔

☆ قانون سازی میں نبوی تعلیمات کی طرف رجوع نہ کرنا۔

☆ نبی کریم ﷺ کے چہرے کے مقابلے میں کفار کے چہرے کو پسند کرنا۔(۳۱)

عصری صورت حال

۲ نومبر ۲۰۱۱ء کو فرانس کے متنازعہ ترین اخبار چارلی ہیبڈو نے پیغمبر رحمت ﷺ کی گستاخی والا شمارہ ''شریعہ ہیبڈو'' کے نام سے جاری کرنے کا فیصلہ کیا، جس کے ردعمل میں اس پر حملہ ہوا، لیکن اس کا ایڈیٹر شارب گستاخیوں سے باز نہ آیا اور یہ سلسلہ ۲۰۱۲ء میں بھی جاری رہا۔

یورپ ایک دفعہ پھر گستاخیوں کے راستے پر ہے۔ بدنام زمانہ میگزین چارلی ہیبڈو اپنی گستاخیوں سے باز نہیں آرہا تھا کہ ردعمل میں اس پر ۷ جنوری ۲۰۱۵ء کو حملہ ہوا اور اس کے عملے کے لوگ مارے گئے۔ اس واقعہ کے بعد چند عالمی نشریاتی اداروں نے اعلان کیا کہ وہ آئندہ ایسا کوئی گستاخانہ خاکہ نہیں چھاپیں گے جس سے کسی کی مذہبی دل آزاری ہو، لیکن اہل مغرب نے اکٹھے ہو کر پیرس میں یہ اعلان کیا کہ ہم سب ''چارلی'' ہیں اور اگلے شمارہ میں مزید گستاخانہ خاکے شائع کر کے چھ زبانوں میں تیس لاکھ کی تعداد میں پوری دنیا میں تقسیم کیے گئے۔(۳۲)

جریدے پر حملے کے خلاف ۱۱ جنوری کو پیرس میں ''ملین مارچ'' کے نام سے احتجاج کیا گیا۔ اس احتجاج میں چالیس (۴۰) کے قریب ملکوں کے سربراہوں نے شرکت کی۔

گستاخانہ خاکے چھاپنے کا سلسلہ ابھی رکا نہیں، بلکہ فرانس میں ایک مسجد کو بھی نذر آتش کیا گیا ہے۔(۳۳)

مسلم اُمت کا ردِّعمل

توہین آمیز خاکوں کی وجہ سے مسلمانوں کا اشتعال میں آنا لازمی امر ہے، کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر کمزور سے کمزور ایمان رکھنے والا مسلمان بھی غیرتِ ایمانی رکھتا ہے اور یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ حرمت رسول پہ کٹ مرنا عین سعادت ہے اور جب کبھی موقع آتا ہے تو وہ اس سے دریغ نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ پر بھی مسلمانوں کی طرف سے شدید ردِّعمل دیکھنے میں آیا، جگہ جگہ احتجاجی مظاہرے ہوئے، ریلیاں نکالی گئیں اور مسلم سربراہان سے درخواست کی گئی کہ وہ حکومتی سطح پر نوٹس لیں، کیونکہ صرف احتجاج اور ریلیوں سے کچھ بننے والا نہیں اور احتجاج تو بے بس لوگ کیا کرتے ہیں۔

ترکی کے وزیراعظم نے فرانسیسی جریدے میں دوبارہ شائع ہونے والے خاکوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں ناقابل برداشت قرار دیا اور کہا کہ اس کے خلاف ہر سطح پر آواز اٹھائی جائے گی۔ (۳۴)

دینی جماعتوں کا ردعمل

تمام دینی جماعتیں اس نقطہ نظر پر متحد ہوئی ہیں کہ کوئی لائحہ عمل ترتیب دینا چاہیے۔ اس طرح کی گستاخیاں عالم اسلام کو کسی طور پر بھی گوارا نہیں ہیں۔ پاکستان میں امیر جماعۃ الدعوۃ حافظ محمد سعید کی زیر قیادت 'تحریک حرمتِ رسول' کے چیئرمین مولانا امیر حمزہ مغرب کی گستاخیوں کے خلاف بھرپور تحریک کا آغاز کر چکے ہیں جس میں انہیں ملک بھر کی دینی و سیاسی جماعتوں کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ (۳۵)

امیر جماعت اسلامی پاکستان سراج الحق نے کہا ہے کہ نبی مہربان ﷺ سے محبت ہمارے ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والوں کا آخری دم تک پیچھا کریں گے' جب تک فرانس معافی نہ مانگے تحریک تحفظ ناموس رسالت جاری رہے گی۔ امریکہ اگر صلیبی جنگ کا آغاز کر رہا ہے تو اسے صلاح الدین ایوبی کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔ اُمت مسلمہ کا ہر بچہ صلاح الدین ایوبی بننے کو تیار ہے۔ (۳۶)

امیر تنظیم اسلامی پاکستان حافظ عاکف سعید نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے گستاخانہ خاکوں کی دوبارہ اشاعت پوری دنیا کے مسلمانوں کی دل آزاری اور اشتعال انگیزی کا سبب بنے گی اور اس ضمن میں اسلام دشمن طاقتیں آزادئ اظہارِ رائے کے نام پر دوہرے معیارات رکھتی ہیں۔ وہ کسی کو ہولوکاسٹ پر اظہارِ رائے کی قطعاً اجازت نہیں دیتے' لیکن اس کائنات کے حقیقی ''رحمۃ للعالمین ﷺ'' کی شان میں گستاخی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اگرچہ نبی اکرم ﷺ کے گستاخانہ خاکے بنانے والے شخص کی ہلاکت مسلمانوں کے لیے نہایت اطمینان بخش اور خوشی کا باعث ہے لیکن اہل یورپ اس واقعہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حالات کو جس طرف لے جا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ متحد ہو کر مسلمانوں پر ایک کاری ضرب لگانا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ کائنات کی عظیم ترین اور مقدس ترین ہستی کی عظمت میں ان مذموم حرکات سے کیا کمی ہو سکتی ہے۔ یہ چاند کی طرف رخ کر کے تھوکنے والی بات ہے جو واپس تھوکنے والے کے منہ پر آتی ہے۔ البتہ یہ امت مسلمہ کے لئے انتہائی ذلت و رسوائی کا معاملہ

ہے کہ جس ہستی کا تقدس اُن کے دین اور ایمان کا لازمی جزو ہے' دشمنانِ اسلام اُس کا استہزا کر رہے ہیں لیکن عام مسلمان اور حکمران دونوں بے بسی سے اُن کا منہ دیکھ رہے ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کتاب و سنت سے منحرف اور اللہ اور رسول ﷺ سے غداری کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کے نتیجہ میں یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ مسلمان انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ تعالیٰ کے احکامات پر دل و جان سے عمل کریں اور سنت رسول کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیں جس سے اللہ اُنہیں ایسی راہ دکھائے گا اور ایسی طاقت بخشے گا کہ وہ اللہ اور اپنے دشمنوں کو عبرت ناک شکست دے کر حضور ﷺ سے اپنی حقیقی اور عملی محبت کا اظہار کر سکیں گے اور اپنی دنیا اور آخرت دونوں سنوار لیں گے۔ (۳۷)

مسلم اُمہ کی ذمہ داری اور تقاضے

توہین ناموسِ رسالت کا مسئلہ کوئی عام مسئلہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں جان لینا چاہیے کہ توہین رسالت کی سزا خود احمد مجتبیٰ ﷺ نے قتل سے کم نہیں رکھی اور اپنی محبت کو تمام جہان والوں سے برتر قرار دیا ہے' لہٰذا ناموسِ رسالت کی حفاظت کی خاطر تمام مسلمان ممالک پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ توہین آمیز خاکوں اور اسلام مخالف فلم کے خلاف سخت اقدامات کی کوشش کریں اور اس راہ میں رکاوٹ بننے والی تمام دیواروں کو گرا دیں۔

ہماری رائے میں مسلمانوں کو سانحہ توہین رسالت پر احتجاج کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے درج ذیل اقدامات کی طرف توجہ دینی چاہیے:

(۱) او آئی سی (O.I.C): اس وقت عالم اسلام کے پاس صرف ''اسلامی ممالک کی تنظیم'' کی صورت میں ایسی قوت موجود ہے جو عالمی برادری کو توہین رسالت کے سلسلہ میں جھنجھوڑ سکتی ہے لہٰذا او آئی سی میں موجود تمام اسلامی ممالک تنظیم کی قیادت کو اپنے بھرپور اعتماد کا یقین دلائیں اور جرأت مندانہ اقدام اختیار کریں۔

(۲) معاشی بائیکاٹ: موجودہ دور میں اقتصاد ایک مؤثر ہتھیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سعودیہ نے ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا تو ان کی کمپنیوں کو روزانہ کئی ملین ڈالر کا خسارہ اٹھانا پڑا اور وہ اس نقصان پر چیخ اٹھے۔ اسی طرح سوڈان نے ڈنمارک اور ہالینڈ کا اقتصادی بائیکاٹ کیا۔ لہٰذا دیگر مسلم ممالک کو بھی اس طرح ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا چاہیے۔

(۳) اسلامی عالمی منڈیوں کا قیام: عالمی منڈیوں پر اس وقت یہود و نصاریٰ کا قبضہ ہے'

جس کی وجہ سے وہ اسلامی ممالک کو معاشی طور پر ہراساں کرتے ہیں اور اسلامی ممالک ان کے دست نگر بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی ممالک کو تیل جیسی بیش بہا دولت سے نوازا ہے' لہٰذا کل اسلامی ممالک اپنی تجارتی منڈیاں قائم کریں تاکہ کفر کی برسوں کی باج گزاری سے چھٹکارا ملے۔

(۴) اسلامی کرنسی کا اجراء: مسلمان ممالک کو مل بیٹھ کر اپنی کرنسی جاری کرنی چاہیے جو یقیناً ان کی دریوزہ گری اور ناگفتہ بہ حالت بدلنے کا سبب بنے گی۔

(۵) اسلامی بلاک کا قیام: اسلامی ممالک کی تباہی و بربادی میں اقوام متحدہ کا بڑا ہاتھ ہے جس کی مثالیں عراق و افغانستان ہیں۔ یہ ادارہ امریکہ کا بغل بچہ بنا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو اس کمبل سے جان چھڑانی چاہیے اور او آئی سی کی طرز کا بلاک بنانا چاہیے' کیونکہ اسے اپنے معاملات یہود و نصاریٰ کے پاس لے کر جانا سراسر خسارہ ہے۔(۳۸) ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ﴾ (البقرۃ: ۱۲۰)

''اور (اے نبی ﷺ! آپ کسی مغالطے میں نہ رہیے) ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ نصرانی جب تک کہ آپ پیروی نہ کریں ان کی ملت کی۔''

(۶) اتحاد و اتفاق: مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق اور وحدت ہونا ضروری ہے۔ تاریخ شاہد ہے مسلمان جب تک متحد رہے کفر لرزہ براندام رہا۔

(۷) باطل عناصر کی بیخ کنی: تمام مسلمان ممالک اسلام مخالف قوتوں مثلاً سیکولرازم اور لادینیت کی طرح کے باطل عناصر کی بیخ کنی کریں اور اسلام پسند تحریکوں کو پروان چڑھائیں۔

(۸) جہاد: مدتوں کے تجربات سے ثابت ہے کہ کفر کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کی چوٹی جہاد سے سرشار مجاہدین سے مڈبھیڑ نہ ہو' بلکہ وہ مسلمانوں کو فکری اور عملی طور پر اس قدر پراگندہ کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ لڑنے کے قابل ہی نہ رہیں' اس لیے اسلامی ممالک کو حکم ربانی:(۳۹)

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال: ۶۰)

''اور تیار رکھو اُن کے (مقابلے کے) لیے اپنی استطاعت کی حد تک طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے''

کے تحت ہمہ وقت حرب و ضرب کی تیاری رکھنی چاہیے۔

(۹) دشمن کی تہذیب سے نفرت: دشمن کی تہذیب و روایت سے نفرت دراصل دشمن کی

پہچان ہی کا ایک پہلو ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (۴۰)

''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے پس وہ انہی میں سے ہے۔''

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انہی کی عادات و روایات کو بالارادہ اپنایا جائے۔(۴۱)

(۱۰) میڈیا کا کردار: دیگر مسلم ممالک کی طرح پاکستان کا میڈیا بھی بے ضمیر ہے' حالانکہ تقاضا تو یہ ہے کہ میڈیا کے ذریعے لوگوں میں ناموس رسالت کے تصور کو اُجاگر کیا جانا چاہیے اور سیرت نبویؐ پر پروگرامز چلانے چاہئیں۔ میڈیا کو برائی کی تشہیر کی بجائے خیر پھیلانے والا ادارہ بنانا چاہیے۔

حرفِ آخر

نبی اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر مسلمان کا کوئی عمل' کوئی نماز' کوئی روزہ' کوئی حج بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ جو میرے محبوب سے محبت نہیں کرتا میں بھی اس سے محبت نہیں کرتا۔

اپنے آقا و مولا محبوبِ ربّ العالمین ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہم اس بات کا عہد کریں کہ آپ ﷺ کی شانِ مبارک میں گستاخی کرنے والوں کو اور گستاخانہ خاکے شائع کرنے والوں کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ ان کی تاریخ بھی لرز اٹھے گی۔ کیونکہ ہم میں محمد بن قاسم ہیں' ہم میں غزنوی ہیں' ہم میں ایوبی ہیں اور ہم میں ابن زیاد ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ ○○

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حب الرسول من الایمان۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب محبة رسول اللّٰہ ﷺ من اکثر من الاھل والولد والوالد۔

(۲) مضمون تحفظ ناموس رسالت' مضمون نگار ڈاکٹر خالد علوی' ماہنامہ رشد' مئی' جون ۲۰۰۸ء' جلد ۱۹' شمارہ ۳۰' صفحہ ۵۷۔

(۳) مضمون تحفظ ناموس رسالت' مضمون نگار ڈاکٹر خالد علوی' ماہنامہ رشد' مئی' جون ۲۰۰۸ء' جلد ۱۹' شمارہ ۳۰' صفحہ ۵۷۔

(٤) صحیح البخاری‘کتاب الایمان‘ باب حب الرسول من الایمان۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘باب وجوب محبة رسول اللّٰہ ﷺ من اکثر من الاھل والولد والوالد۔
(٥) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوة الایمان۔
(٦) الاربعون النوویة‘ ح:٤١۔ قال النووی: حدیث حسن صحیح رویناہ فی کتاب الحجة باسناد صحیح۔ ومشکاة المصابیح‘ کتاب الایمان‘ باب الاعتصام بالکتاب والسُّنة‘ الفصل الثانی۔والسنہ لابن ابی عاصم : الرقم:٣۔
(٧) ارتداد اور توہین رسالت‘ جناب ڈاکٹر محمد اسرار مدنی‘ ترجمہ مقبول الٰہی‘ ادارہ اسلامیات‘ انارکلی پاکستان‘ جون ١٩٩٥ء‘ص ٢٦‘ ٢٧۔
(٨) تحفظ ناموس رسالت‘ اداریہ‘ ماہنامہ رشد‘ مئی جون ٢٠٠٨‘ ص ٢۔
(٩) ماہنامہ رشد‘ مئی جون ٢٠٠٨ء۔
(١٠) کالم‘ توہین رسالت اور گستاخان رسول کا بدترین انجام۔ ماہنامہ بینات‘ ربیع الثانی ١٤٢٧ بمطابق ٢٠٠٦ء‘ ج ٦٩‘ شمارہ ٤۔
(١١) ایضاً۔
(١٢) ماہنامہ رشد مئی جون ٢٠٠٨ء‘ص ١٥١۔توہین رسالت‘ مضمون نگار ابو جابر عبداللہ دامانوی۔
(١٣) ماہنامہ رشد‘ مئی جون ٢٠٠٨ء‘ص ٣‘ اداریہ۔
(١٤) ماہنامہ رشد‘ مئی جون ٢٠٠٨ء‘ص ٣‘ اداریہ۔
(١٥) کالم ’’توہین آمیز فلم اور امریکی مقاصد‘‘ تحریر گلزار احمد نعیمی‘ منگل ١٣ جنوری ٢٠١٥ء۔
(١٦) ایضاً۔
(١٧) ماہنامہ محدث ستمبر ٢٠١٢ء‘ شمارہ ٣٥٧‘ ج ٤٤‘ مضمون ناموس رسالت پر ایک اور وار‘ ڈاکٹر حافظ حسن مدنی۔
(١٨) توہین رسالت اور گستاخانِ رسول کا بدترین انجام‘ ماہنامہ بینات ربیع الثانی ١٤٢٧‘ ٢٠٠٦ء ج ٦٩‘ شمارہ ٤۔
(١٩) ماہنامہ رشد‘ مئی جون ٢٠٠٨ء‘ خاکوں کی اشاعت بارے عالمی رپورٹ‘ قاری فہداللہ‘ ص ١٤٧۔
(٢٠) کالم‘ تحفظ ناموس رسالت اور ہماری ذمہ داری‘ ڈاکٹر انیس‘ ١٦ دسمبر ٢٠١٠۔
(٢١) رشد مئی جون ٢٠٠٨ء‘ص ٣٦‘ توہین رسالت بارے استفسارات‘ عبدالرشید صادق۔
(٢٢) ایضاً۔
(٢٣) اسلام اور توہین رسالت‘ پروفیسر ثریا بتول علوی‘ ص ١٠ جون ٢٠٠٦‘ تنظیم اساتذہ پاکستان۔
(٢٤) ناموس رسول اور قانون توہین رسالت‘ محمد اسماعیل قریشی‘ الفیصل ناشران‘ فروری ٢٠٠٦ء‘ ص ٤٤۔٤٠۔
(٢٥) ماہنامہ رشد‘ مئی جون‘ ٢٠٠٨ء‘ مغرب توہین آمیز خاکے کیوں بناتا ہے؟ طارق جاوید عارضی۔

(٢٦) ماہنامہ چراغ اسلام فروری ٢٠١٥ء آزادی اظہار کی آڑ میں توہین رسالت‘ حسن روحانی‘ ص ٤١۔
(٢٧) توہین رسالت کی شرعی سزا‘ شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز‘ مکتبہ رحمانیہ‘ ٢٠٠٧‘ ص ٣١٣۔
(٢٨) ماہنامہ چراغ اسلام فروری ٢٠١٥ء‘ آزادی اظہار کی آڑ میں توہین رسالت‘ حسن روحانی‘ ص ٤١
(٢٩) ہفت روزہ جرار‘ ٢٣ جنوری ٢٠١٥ء‘ کالم بشری امیر‘ آبگینے۔
(٣٠) روزنامہ ڈان‘ ٢٦ ستمبر ٢٠١٢ء۔
(٣١) ماہنامہ رشد‘ مئی جون ٢٠٠٨ء‘ مسلمان میں اہانت رسول کے مختلف پہلو‘ عمران ایوب لاہوری‘ ص ١٨٩۔١٩١۔
(٣٢) ہفت روزہ جرار‘ ٢٣ جنوری ٢٠١٥ء‘ کالم صلاح الدین اولکھ۔
(٣٣) ماہنامہ چراغ اسلام‘ دل سے آہ نکلتی ہے‘ حافظ وسیم ارشد‘ ص ٣٨‘ ٣٩‘ فروری ٢٠١٥ء
(٣٤) ماہنامہ چراغ اسلام‘ فروری ٢٠١٥ء‘ ص ٣٩۔
(٣٥) ہفت روزہ جرار‘ ٢٣ جنوری ٢٠١٥ء‘ کالم صلاح الدین اولکھ۔
(٣٦) کالم (جب تک فرانس معافی نہ مانگے تحریک تحفظ ناموس رسالت جاری رہے گی)‘ پی پی سی‘ ٢٥ جنوری ٢٠١٥ء‘ اتوار۔
(٣٧) ہفت روزہ ندائے خلافت‘ شمارہ ٣‘ جنوری ٢٠١٥ء۔
(٣٨) ماہنامہ رشد‘ مئی جون ٢٠٠٨ء‘ اداریہ‘ ص ٧‘ ٨۔
(٣٩) ماہنامہ رشد‘ مئی جون ٢٠٠٨ء‘ اداریہ‘ ص ٨‘ ٧۔
(٤٠) سنن ابی داؤد‘ کتاب اللباس‘ باب فی لبس الشھرة ۔
(٤١) تحفظ ناموس رسالت اور ہم‘ ام عبد منیب مشربہ علم وحکمت‘ ص ٢٣۔

❁ ❁ ❁

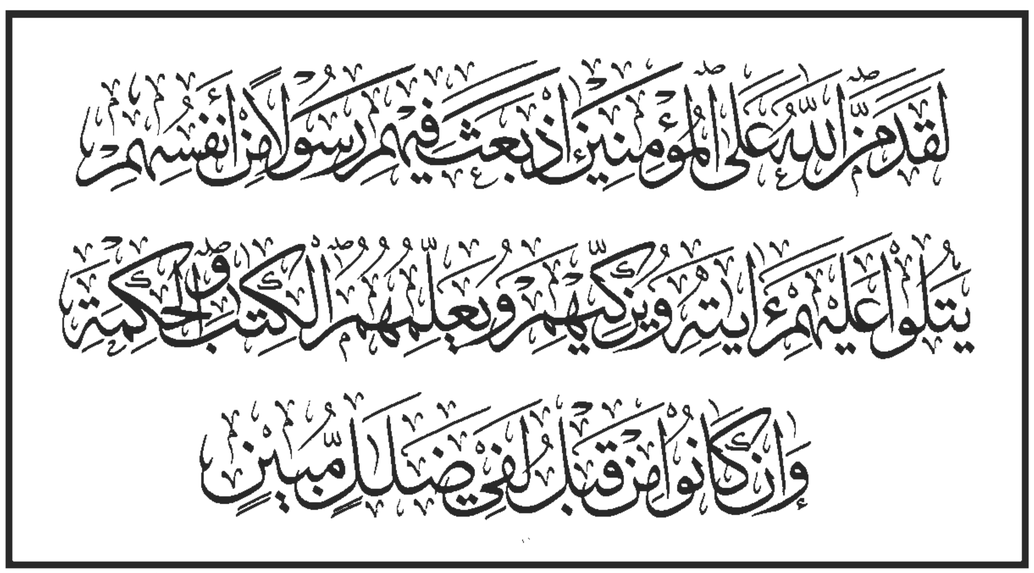

نظامِ خلافت: کیا؟ کیوں؟ کیسے؟

شجاع الدین شیخ ☆

تمہیدی بیان

آج سے ان صفحات میں ''خطباتِ خلافت'' کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے ——— نظامِ خلافت کیا ہے' اس کی اہمیت کیا ہے اور اس کی برکات کیا ہیں؟ آج کے دور میں اگر خلافت کا نظام قائم ہوگا تو اسلامی ریاست کیسی ہوگی؟ نظام خلافت کا سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام کیسا ہوگا؟ اسلامی ریاست دوسری ریاستوں سے کس طرح مختلف ہوگی؟ نظام خلافت کے قیام کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ یہ تمام تفصیلات اس سلسلے میں سامنے آئیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز!

سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ خلافت کا مفہوم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا اس اصطلاح ''خَلِیْفَة'' کو قرآن مجید میں استعمال فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام کے ضمن میں سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ﴾ (آیت ۳۰)

''اور یاد کرو جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

کم وبیش یہی الفاظ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ص میں داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمائے:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ﴾ (آیت ۲۶)

''اے داؤدؑ! ہم تم کو زمین میں خلیفہ بنانے والے ہیں۔''

لغوی اعتبار سے خَلِیْفَة کی اصطلاح خلف سے ہے جس کے معنی پیچھے کے ہیں۔ کسی کے پیچھے آنا' کسی کا قائم مقام یا نائب ہونا' کسی کا نمائندہ ہونا۔ امام راغب اصفہانیؒ کی مشہور تالیف ''المفردات القرآن'' —— جو ایک قرآنی ڈکشنری ہے' جس میں قرآن حکیم میں استعمال

☆ امیر حلقہ کراچی شمالی

کیے گئے ایک ایک لفظ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اُس دور میں عربی زبان میں کن کن معنوں میں استعمال ہوتا تھا —— میں خلیفہ کی اصطلاح کے یہی معنی بیان کیے گئے ہیں۔

اسی کے مترادف کے طور پر قرآن وحدیث میں اکثر دو اور الفاظ ان معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ خاص طور پر احادیث میں جہاں امام کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہیں امیر کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تین اصطلاحات ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں' یعنی خلافت' امامت اور امارت۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین بھی کہا گیا اور امیر المؤمنین بھی۔

آیئے اس کے اصطلاحی معنی پر بھی غور کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم اسلاف میں سے دو حضرات کی آراء جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ امام ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ خلیفہ کے اصطلاحی معنی ہیں دین کی حفاظت اور دنیا کی ریاست کے انتظام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرنا۔ اصلاً ہم اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اللہ نے اپنا مکمل دین اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا فرمایا۔ آپؐ کے بعد اس کی حفاظت اور اس پر عمل اب امت کی ذمہ داری ہے۔ خلافت کی ذمہ داری اجتماعی بھی ہے جس کو ہم آگے چل کر سمجھیں گے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ جو برصغیر کے مسلمانوں کے مصلح ہیں' ان کے اور ان گھرانے کے افراد کے ذریعہ اسلام کی تعلیمات لوگوں تک پہنچی ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ خلافت ان امور کو عملاً قائم کرنا ہے جن کے قیام کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ سورۃ الصّف کی آیت ۹ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر کیوں بھیجا گیا' قرآن اور دین اسلام کیوں دیا گیا' اسے یہ آیت بیان کرتی ہے: ﴿لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ ''تاکہ آپؐ اس دینِ حق کو کُل کے کُل نظام ہائے زندگی پر غالب کر دیں''۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ مشن تھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ اب خلافت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن امور کو قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے' انہیں قائم کرنا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے۔

اگلی بات یہ ہے کہ انبیاء ورُسل علیہم السلام پر اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی اور وہ خلیفہ بھی کہلاتے تھے۔ پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں جنہیں سورۃ البقرۃ کی مذکورہ بالا آیت میں خلیفہ کہا گیا ہے۔ اللہ کی نمائندگی پہلے دن سے ہی مطلوب تھی۔ یہ زمین اللہ کی ہے' یہاں آ کر اُسی کے احکامات پر عمل بھی کرنا اور انہیں نافذ بھی کرنا' یہ عمل پہلے دن ہی سے شروع

ہوگیا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی نبی خلیفہ قرار دیے گئے اور باقی انبیاءؑ میں داؤد علیہ السلام کا تذکرہ بھی کر دیا گیا۔ تا آنکہ نبوت کا سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ پر آ کر مکمل ہوگیا۔ آپ ﷺ کے بعد وحی الٰہی یعنی غیب کی خبروں کی آمد کا دروازہ بند ہوگیا اور اب ختم نبوت کے بعد نبیوں والی ذمہ داری کا تسلسل امتِ محمدی ﷺ کے کاندھوں پر آ گیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا؟ سب نے کہا کہ اے اللہ کے نبیؐ! آپ نے پہنچا دیا۔ پھر آپؐ نے یہ ذمہ داری امت کو سپرد کرتے ہوئے فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) کہ اب تم میں سے جو یہاں موجود ہیں اس پیغام کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔

اوّلاً یہ ذمہ داری انبیاء کرام علیہم السلام پر فرداً فرداً تھی‘ ختم نبوت کے بعد اجتماعی طور پر امت کے کاندھوں پر آ گئی۔ خلافت بھی‘ جس کے بارے میں پہلے انبیاء کو انفرادی طور پر خطاب کر کے فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا‘ اس کو اللہ تعالیٰ نے اجتماعی طور پر خطاب کر کے امت محمدیہ کو عطا کیے جانے کا اعلان فرمایا۔ لہٰذا اب خلافت کا معاملہ اجتماعی ہوگیا۔ سورۃ النور‘ آیت ۵۵ میں ارشاد ہوا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠﴾

’’اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پچھلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی۔‘‘

ایک ہے الہامی قانون جو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے‘ جو ہمارے عقیدے کے مطابق قرآن وسنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے‘ اور دوسرا قانون وہ ہے جس کی بنیاد انسانی عقل پر ہے اور اسی کی ترجیحات پر مبنی ہے کہ اس میں الہامی ہدایت کی دخل اندازی نہ ہو۔ دنیا میں یہی دو قوانین رائج رہے: (۱) جو اللہ کا ہے‘ اور (۲) جو اللہ کے سوا کا ہے۔ جو اللہ کے سوا کا ہے‘ قرآن اسے شیطان کا قرار دیتا ہے۔ کبھی قرآن اسے طاغوت کا اور کبھی اسے نفس کی خواہش قرار دیتا ہے۔ اگر اللہ کے قانون کا نفاذ نہیں تو جو کچھ ہے وہ شیطان‘ عقل اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی ہے۔ اس حوالے سے اوّلاً قرآن کریم کے دو مقامات آپ کے سامنے رکھوں گا۔ قرآن حکیم میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ بار بار آتا ہے اور اس واقعے کا

بیان کئی آیات میں ہے۔ ۵۵۰ سے زیادہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کی تفصیلات قرآن میں آئی ہیں۔ اس کی اور بھی وجوہات ہیں‘ لیکن ایک بات جو ہماری اس گفتگو سے متعلق ہے‘ وہ یہ ہے کہ جہاں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے وہاں فرعون کا بھی ذکر آتا ہے۔ یہ ایک علامت ہے انسانی عقل اور انسانی قانون کو نافذ اور رائج کرنے کی۔ جیسے کہہ دیا جاتا ہے کہ آج کل فرعونیت کا دور دورہ ہے۔ قرآن میں فرعون کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ آیئے اس کے چند گوشوں پر توجہ ڈالیں۔ یہاں سے معلوم ہوگا کہ انسانی عقل یا انسانی خواہشاتِ نفس کی پیروی کی صورت میں جو قانون سامنے آئے تو اس کے کیا کیا نظارے ہوتے ہیں۔ کبھی قرآن سورۃ النازعات میں کہتا ہے: ﴿فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾﴾ ’’فرعون نے کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں‘‘۔ یعنی جب انسان الہامی ہدایت کو چھوڑ دے تو تکبر کی اس سطح پر آ جاتا ہے کہ خدائی کا دعویٰ بھی کر بیٹھتا ہے۔

کبھی تنہا فرعون یہ دعوے کرتا تھا‘ آج پوری قوم یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہم زمین پر واحد سپریم پاور ہیں‘ ہمارا قانون چلے گا‘ ہماری تہذیب کی حکمرانی ہوگی۔ تم ہمارے پانچ ہزار افراد کو مارو گے تو ہم افغانستان میں تمہارے پندرہ لاکھ افراد کو اپاہج کر دیں گے۔ یہ خدائی کا دعویٰ ہی تو ہے۔ یہ فرعونیت آج بھی مل جائے گی‘ یہ اس کا ایک مظہر ہے۔ اسی طرح اب عوام کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ جانوروں کی سطح پر زندگی بسر کرتے تھے۔ آج مسلمان ممالک کی حالت کو دیکھ لیں۔ ہم جانوروں کی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دو کروڑ پر آفت آ جائے تو بقیہ کو اپنے اداروں اور دوسرے دھندوں سے فرصت نہیں ملتی۔ ان کی گاڑیاں سڑکوں پر آ جائیں تو آدھا کراچی بلاک ہو جائے۔ ریڈ زون اور اس طرح کے سارے دھندے جاری ہیں۔ یہ سب اس لیے ہے کہ اللہ کی حاکمیت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ سورۃ الزخرف (آیت ۵۱) میں فرعون کا قول نقل ہوا ہے کہ موسیٰؑ کی حیثیت کیا ہے؟ اسے تو پال پوس کر ہم نے بڑا کیا۔ (معاذ اللہ!) ہمارے پاس محلات‘ نہریں اور دولت ہے۔ یہ اظہار آج بھی دکھائی دے گا۔ جب انسان الہامی ہدایت سے دور ہو تو خدا بننے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور پھر کسی کو پرکھنے کی بنیاد یا معیار اخلاق اور تقویٰ نہیں ہوا کرتا بلکہ دولت بن جاتی ہے۔ جب الہامی ہدایت پر عمل درآمد نہ ہو اور انسان خدائی کے دعوے کرتا ہو یا اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کو نافذ کرتا ہو تو نتیجہ قوموں کی قوموں کو اڑا دینے اور افراد اور گروہوں کو قتل کر دینے کی صورت میں نکلتا ہے۔ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ آج پندرہ لاکھ افراد کو عراق میں اور کم وبیش اتنی

ہی تعداد کو افغانستان میں اپاہج بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ عراق کی گلیوں میں مسلمانوں کے خون سے زیادہ کوئی ارزاں شے نہیں ہوسکتی۔ ابوغریب کی جیل میں کیا کچھ نہ ہوا؟ اور شاید قندھار کی جیلوں کی تفصیلات ہمیں زیادہ معلوم تھیں۔ گوانتاناموبے کے کیمپ میں جو کچھ ہوا اسے دیکھ کر شاید درندوں کو بھی شرم آ جائے۔

اسی طرح فرعونیت کی ایک پالیسی ہے کچھ لوگوں کو خرید کر اپنی حکمرانی قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ قرآن میں سورۃ القصص کے آٹھویں رکوع میں قارون کا ذکر آیا ہے جو بنی اسرائیل میں سے تھا۔ وہ اپنی قوم سے غداری کر گیا اور اسے فرعون کے دربار میں بڑا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا۔ اسی طرح کی حرکتیں انگریز جاتے جاتے ہمارے ساتھ کر گئے۔ آج بھی اسی کے پروردہ ظالم جاگیردار، وڈیرے وغیرہ ہماری قوم پر مسلط ہیں۔ عوام کی اپنے گاؤں میں کوئی حیثیت نہیں۔ ظالموں کی اپنی جیلیں، جاگیریں وغیرہ ہیں۔ وہ چاہیں تو بند توڑ کر اپنی جاگیر بچالیں اور اپنے ہاریوں اور دوسروں کو برباد کر دیں۔ کچھ لوگوں کو خرید کے یا 'لڑاؤ اور تقسیم کرو' کی پالیسی اختیار کر کے اپنی حکمرانی کو قائم کرنا ہی فرعونیت ہے۔ رب کے قانون پر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو بالادست کرنا ہی فرعونیت ہے۔

اس کا ایک اور مظہر یہ ہے کہ دلیل کا جواب دلیل سے نہ دیا جائے خواہ دلیل کتنی وزنی اور واضح کیوں نہ ہو۔ یہ تفصیل سورۃ الشعراء، آیت ۴۹ اور دیگر مقامات پر مذکور ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ پیش کیا تو جادوگر سمجھ گئے کہ یہ حق ہے تو سب جادوگر اللہ ربّ العالمین پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے کہا کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ حالانکہ تھوڑی ہی دیر پہلے فرعون نے انہیں کہا تھا کہ تم جیت گئے تو ہم تمہیں انعامات سے نوازیں گے اور اپنے مقربین میں شامل کر لیں گے۔ آج کے ظالم و جابر حکمران دلیل کا جواب دلیل سے نہیں بلکہ دھونس، بدمعاشی اور قتل و غارت گری سے دیتے ہیں۔ لوگوں کو غائب کرا دینا تو اب عام سی بات ہے۔ یہ ہمارے نام نہاد مسلمان حکمران ہیں۔

ایک اور واقعہ جو قرآن حکیم میں سات مرتبہ آدم علیہ السلام اور ابلیس لعین کے حوالے سے آتا ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے قانون کو چھوڑے گا تو شیطان لازماً اس کے پیچھے لگے گا اور وہ شیطان کا پیروکار بن جائے گا۔ سورۃ الاعراف میں ایک شخص کی مثال دی گئی ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ

الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾﴾

''(اے نبی ﷺ!) ان کے سامنے اس شخص کا واقعہ بیان کیجئے جس کو ہم نے اپنی آیات عطا فرمائیں مگر وہ ان سے نکل بھاگا، پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہ لوگوں میں سے ہو گیا۔''

یہی مثال سورۃ الزخرف میں بایں الفاظ آئی ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور جو کوئی رحمٰن کے ذکر سے ہٹتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے''۔ چنانچہ یا تو اللہ کا قانون نافذ ہوگا اور اس پر عمل ہوگا یا پھر شیطان کی پیروی ہو رہی ہوگی۔ اس کے کچھ مظاہر کو سمجھ لیں، جس کے مینی فسٹو کو دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ شیطنت چل رہی ہے، رحمانیت نہیں۔ مثال کے طور پر ہم سب کو معلوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شیطنت رب کے حکم کا انکار ہے۔ اور اگر اللہ کا قانون نافذ نہیں تو اس کا مطلب رب کے حکم کا انکار ہے، جو رب کو نہ ماننے والا کافر بھی کر رہا ہے اور رب کو ماننے والا مسلمان بھی کر سکتا ہے اور کر رہا ہے۔

شیطان کے واقعے میں ہمیں تکبر بھی دکھائی دیتا ہے۔ میں کیوں سجدہ کروں؟ مجھے پیدا کیا آگ سے، اسے پیدا کیا مٹی سے، آگ اوپر کی طرف جاتی ہے اور مٹی نیچے کی طرف۔ میں اعلیٰ ہوں یہ ادنیٰ۔ میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کو سجدہ کیوں کروں؟ رب کا واضح حکم موجود ہے..... لیکن میں جو کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے۔ یہی تو آج کا فتنہ ہے۔ ربّ کے مقابلے میں تکبر کرنا بغاوت ہے۔ ابوداؤد میں وارد حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ:

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِيْ، فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ (۱)

''کبریائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے، پس جو کوئی بھی ان میں سے کوئی ایک شے مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے آگ میں جھونک دوں گا۔''

آج کتاب اللہ بھی ہمارے پاس ہے اور سنتِ رسولؐ بھی۔ غیروں کی کیا بات کریں، کیا ہمارے حکمرانوں سے لے کر عوام الناس تک کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات ترجیح ہیں؟ تکبر یہی تو ہے کہ جو ہمارا دل چاہے گا وہ ہم کریں گے۔ شیطان نے بڑی زبردست منطق لڑائی تھی۔ اس کی منطق دلچسپ بھی ہے اور دلکش بھی، کہ میں آگ سے بنا ہوں

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الکبر۔

اور یہ مٹی سے بنا ہے۔ آگ اوپر جاتی ہے' لہٰذا اعلیٰ ہے اور مٹی نیچے' لہٰذا ادنیٰ ہے۔ شیطان نے عقل کا استعمال کیا' آج logic کے استعمال کا دور ہے۔..... It should be logical..... He speaks so logically..... He is a literate moulvi..... آج کل دین پر بات کرنے والا وہ impressive سمجھا جاتا ہے جو logical باتیں زیادہ کرے۔ لاجک کی اپنی حدود ہیں۔ اگر لاجک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی حدود کے اندر ہے تو قابل قبول ہے' ورنہ شیطان نے ان حدود سے تجاوز کرتے ہوئے منطق بگھاری تو مردود قرار دے دیا گیا۔ تو اپنی انسانی دانش کو بالاتر سمجھنا شیطنت کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ اُس نے کفر پر جانا پسند کر لیا۔ مسلم معاشروں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننے والے اللہ کی تعلیم کے مقابلے میں اللہ کے باغیوں کے نظام کو ترجیح دیں تو یہ کفر کو ہی پسند کرنا ہے۔

اسی طرح صراطِ مستقیم سے روکنا شیطان کا کام ہے' یہ شیطان کا ایجنڈا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۶' جس کی تفصیل آیت ۱۷ میں ہے' کے مطابق شیطان نے کہا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے ان بندوں کے خلاف تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔ کوئی تو وجہ ہے کہ جب ہم قرآن کی تلاوت شروع کرتے ہیں تو پہلے تعوذ پڑھ کر شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن ہی سیدھا راستہ ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ ((وَھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ)) ''وہی (قرآن) صراطِ مستقیم ہے''۔ شیطان یہیں ڈیرے لگائے گا۔ اب میں کیا امریکہ' برطانیہ اور فرانس وغیرہ کی بات کروں؟ ہمارے مسلم حکمران آج کیا کر رہے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے دفعہ ۳۵۔۳۶ میں لکھا ہے کہ ''یہاں کی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام کے لیے اسلامی تعلیمات کا بندوبست کرے اور وہ ماحول فراہم کرے جہاں عوام کو اسلام کے تقاضوں پر عمل کرنا ممکن ہو سکے''۔ ہمارے امراء و وزراء کہتے ہیں کہ کرپشن کرنا ہمارا حق ہے۔ شاہ فیصل مسجد بند کر دی گئی جب برطانیہ سے ایک غیر مسلم وزیر آیا۔ نہ اذان ہوئی اور نہ جماعت۔ قرآن پڑھنے پڑھانے والوں کے ساتھ کیا کیا سلوک ہوتا ہے۔ شیطان کی حرکتوں کو تلاش کرنے کے لیے کیا ہمیں امریکہ اور برطانیہ جانے کی ضرورت ہے؟ سورۃ الاعراف ہی کی آیت ۲۷ میں ہے کہ شیطان فحاشی و عریانی کو پروموٹ کرتا ہے۔ آج ہمارا میڈیا یہ کام حکومت کی اجازت کے بغیر تو نہیں کر سکتا۔ کیا میڈیا خیر کی باتوں کو

پروموٹ کر رہا ہے؟ یوٹیوب وغیرہ کو تو بند کر دیا گیا لیکن کیا ایک بھی گندگی پر مبنی ویب سائٹ بند ہوئی؟ جب یوٹیوب بند ہو سکتا ہے تو گندگی پر مبنی ویب سائٹس کیوں بند نہیں ہو سکتیں؟

قرآن میں دوسرے مقامات پر آدمؑ اور ابلیس کے بارے میں جو باتیں آئی ہیں؟ ان سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ جب اللہ کا حکم نافذ نہیں ہوتا تو شیطان کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ اور اس کی خصوصیات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ابلیسی نظام یا اس کے چند گوشے ہیں جو ہمارے نظام میں صرف موجود ہی نہیں بلکہ نافذ ہیں۔ آدم علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ اللہ نے ہمیں خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ پوری زمین ہمارے دائرۂ کار میں ہے۔ سورۃ البقرہ کے چوتھے رکوع میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو علم الاسماء کا حامل بنا دیا گیا۔ ساتھ ہی بتا دیا گیا کہ حتمی علم کون سا ہے۔ فرمایا: ﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''جب جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے اور اس کے تابع ہو جائیں گے تو انہیں نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی غم''۔ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے' ہم اس کے نمائندے ہیں۔ حکم ہمارا نہیں بلکہ اُس کا چلے گا۔ ایک انگریز مفکر کہتا ہے کہ ہم نے ہواؤں پر اڑنا سیکھ لیا' ہوائی جہاز بنا لیے' ہم نے مچھلیوں کی طرح تیرنا بھی سیکھ لیا' آبدوزیں بنا لیں' لیکن انسان بن کر زمین پر رہنا نہیں سیکھا۔ سو برس پہلے جن مسائل کا ہمیں سامنا تھا کیا ان کا موازنہ آج کے مسائل سے ممکن ہے؟ آج جو explosion of knowledge ہو چکی ہے تو اس کے نتیجے میں مسائل کم ہونے چاہئیں یا بڑھنے چاہئیں؟ مسائل بڑھ کیوں رہے ہیں؟ کمی یہ ہے کہ الہامی ہدایت پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔

اب ہم گفتگو کے تیسرے حصے کی طرف چلتے ہیں۔ اللہ کی زمین پر اس کا نظام ہو' دینی امور بھی اور دنیوی سیاست بھی اس کے تابع ہو' یہاں کے کل معاملات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت کے مطابق طے ہوں۔ آیئے اس حقیقت کو چند آیات اور چند اقوال کی روشنی میں جاننے کی کوشش کریں۔ قرآن حکیم اس تصور پر بہت زور دیتا ہے جو کہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا دین نافذ ہونا چاہیے۔ ہمیں نماز قائم کرنے کا حکم تو یاد ہے —— وہ بھی لوگوں کی عظیم اکثریت کو صرف جمعہ کے دن کی دو رکعت یاد ہے' بمشکل ہماری پانچ فیصد آبادی پانچ وقت کی نماز ادا کرتی ہے —— دین کی اقامت کا حکم کسے یاد ہے؟

حالانکہ یہ بھی اللہ کا حکم ہے‘ سورۃ الشوریٰ (آیت ۱۳) میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔

آیئے چند اور مقامات سے اس کی اہمیت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم سورۃ الحدید (آیت ۲۵) میں یہ بتاتا ہے کہ ہم نے رسولوں کو بھیجا‘ معجزات‘ کتاب اور شریعت کی میزان انہیں عطا فرمائی تاکہ انسانیت عدل پر قائم ہو جائے۔ انسانیت عدل پر اس وقت قائم ہو سکتی ہے جب ’’العادل‘‘ یعنی عدل کرنے والے اللہ تعالیٰ کا دین زمین پر نافذ ہو جائے۔ اس کے بغیر عدل قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو بھی پیدا کیا اور عورت کو بھی۔ اسی کو معلوم ہے کہ دونوں کے مسائل کیا ہیں۔ مردوں کے ہاتھوں میں نظام آ جائے تو عورتوں کا استحصال ہوگا‘ اس کے برعکس عورتوں کے ہاتھوں میں نظام آ جائے تو وہ مردوں کا استحصال کریں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دے گا تو اس سے دونوں کو عدل میسر ہوگا۔ عدل کا قیام تمام رسولوں کا مقصدِ بعثت تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا مقصدِ بعثت قرآن حکیم میں تین مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳‘ سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورۃ الصّف کی آیت ۹ میں فرمایا کہ:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

’’وہ (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا الہدیٰ (یعنی قرآن کی صورت میں مکمل ہدایت) اور مکمل نظام زندگی (یعنی دین اسلام) دے کر تاکہ وہ اسے پورے نظام زندگی پر غالب کر دے۔‘‘

یہ تب ہوگا جب اللہ کا حکم نافذ ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۃ المائدۃ (آیت ۴۴‘ ۴۵‘ ۴۷) میں فرماتا ہے کہ اس کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کیے جائیں تو یہ کفر‘ ظلم اور فسق ہے۔ لہٰذا اگر نظامِ خلافت قائم نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر‘ ظلم اور فسق جاری ہے۔ اسی سورہ کی آیت ۶۸ میں اللہ تعالیٰ کا اہل کتاب سے خطاب ہے کہ:

﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

’’(اے نبی ﷺ!) فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! تمہاری کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ تم اسے قائم نہ کرو جو تورات اور انجیل میں ہے اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا۔‘‘

ہمارا ایمان ہے کہ آج تورات اور انجیل اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں‘ واحد محفوظ کتاب قرآن مجید ہے۔ گویا قرآن کے ماننے والے اگر اس کا نفاذ نہیں کرتے تو اللہ کی نگاہوں میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے سورۃ الانفال (آیت ۳۹) میں قتال کا مقصد اس طرح بیان کیا ہے کہ: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ ’’ان کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے تا آنکہ دین پورے کا پورا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے لیے ہو جائے‘‘۔ قرآن حکیم کے ان چند مقامات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے نفاذ کے بغیر بات بنتی نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تقاضا ہے کہ اس کا دین نافذ ہو جسے نظامِ خلافت کہا جاتا ہے۔

آج ہمارے لیے بھی شاید نئی بات ہوگی کہ فقہاء اس کو کس طور سے بیان کرتے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے زیادہ احادیث بیان نہیں کیں بلکہ آیات ہی کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ قرآن حکیم کی آیات مبارکہ سے جو نتائج اخذ کیے جاتے ہیں یہ فقہ ہے۔ فقہاء اقامت دین کی اصطلاح استعمال نہیں کرتے‘ نہ ہی تکبیر رب‘ اظہار دین الحق علی الدین کلہ کہتے ہیں‘ بلکہ وہ نصبِ امامت یا نصبِ خلافت کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ وہاں ایک بڑا پیارا اصول ہے جس سے بات دو دو چار کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ علماء یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ **مقدمة الواجبی واجبة** یعنی کسی واجب/لازم شے کے لیے جو شے پہلے ضروری ہے وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ نماز وضو کے بغیر نہیں ہوتی‘ لہٰذا وضو بھی فرض ہو گیا۔ طہارت نماز کے لیے شرط ہے اس طرح طہارت بھی فرض ہو جائے گی۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ سود کے نظام کو ختم کرو تو کیا اقتدار اور اختیار کے بغیر اسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ آپ کرنٹ اکاؤنٹ کھولیں گے تو یہ ایک اچھا اقدام ہوگا کہ خود سود لینے سے بچ گئے۔ لیکن اگر اسلام کا نظام موجود نہ ہو تو سود کا نظام ختم ہو سکتا ہے؟ اگر نظام صالحین کے ہاتھوں میں نہ ہو تو یہ ختم نہیں ہو سکتا۔ قرآن سزاؤں کا نظام دیتا ہے۔ چور‘ قاتل اور زانی کی سزا مقرر ہے‘ لیکن یہ سزائیں کیسے نافذ ہوں گی؟ اس کے لیے اقتدار اور اختیار کا ہونا شرط ہے۔ لہٰذا اقتدار اور اختیار کا ہونا بھی فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح معیشت میں حلال و حرام کا معاملہ ہے تو بہر صورت حرام کو روکا جائے گا۔ اسی طرح نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا ہم پر لازم ہے تو اس کے لیے نظام کا قیام بھی فرض ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے نظام خلافت کا قیام فرض قرار پاتا ہے اور یہ صرف فرض ہی نہیں بلکہ فرضِ عین ہے۔

اب آگے چلتے ہیں۔اسی ضمن میں امام ابن تیمیہؒ کا بڑا پیارا قول ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ لوگوں کے اجتماعی معاملات کے لیے ولایت دین اسلام میں ایک عظیم فریضہ ہے' بلکہ دین و دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔اگر تم پر کوئی امیر یا خلیفہ نہیں' اگر خلافت کا نظام قائم نہیں تو تمہارے لیے دین و دنیا کا قیام بھی ممکن نہیں۔نظام خلافت کے قیام کی ایک اور اہمیت کو سمجھتے ہیں۔اگر ناموسِ رسالت ﷺ پر حملہ ہو تو ہم صرف مظاہرے کریں..... ہینڈ بلنگ کریں..... تقریریں کریں.....! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی ہو تو اس پر احتجاج کریں! یہ اس لیے کرنا پڑ رہا ہے کہ امت کا مرکز موجود نہیں۔کشمیر کے مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو' افغانستان کا معاملہ ہو.....شام و عراق وغیرہ میں قتال کے لیے لوگ جا رہے ہیں۔یہ سارا کچھ انفرادی طور پر اس لیے ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کا مرکز یعنی نظام خلافت موجود نہیں۔خلفائے راشدین کے دور میں اگر کوئی زکوٰۃ نہ دے تو اس کا مقابلہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرتے ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) خدا ماننے والے کھڑے ہو گئے تو ان کو سزا دینے والے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔مہمات خلافت کی جانب سے بھیجی جا رہی تھیں۔مبلغین نظام خلافت کے تحت بھیجے گئے۔یہ خلافت کی برکات ہیں۔جب مرکزیت ہو گی تو امت کے مسائل بھرپور طور پر حل کیے جا سکیں گے۔آج مسجد کا نظام ہم چلاتے ہیں' یہ نظام خلافت کا کام ہے۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں تو یہی تھا۔مؤذنین اور خطباء کے وظائف مقرر تھے۔خلافت کا نظام موجود تھا تو سارے امور بتمام و کمال ادا ہو رہے تھے۔آج امت بہت سارے خیر کے کاموں میں لگی ہوئی ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ اجتماعی وسائل ان کاموں میں نہیں لگ پا رہے ہیں' اس لیے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آ رہے ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ اس اعتبار سے تقاضے کیا ہیں؟ اگر ایک جملے میں کہا جائے تو اِس وقت معروفِ اعظم نظامِ خلافت کا قیام ہے' منکرِ اعظم نظام باطل ہے جس کا خاتمہ درکار ہے۔ یہ امت کا فریضہ ہے۔سورۂ آل عمران (آیت ۱۱۰) میں ارشاد ہوا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾

''تم بہترین اُمت ہو جو انسانوں کے لیے برپا کی گئی ہے' تم نیکی کا حکم دو گے اور بدی سے روکو گے اور تم اللہ سبحانہٗ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

ویسے تو یہ ساری امت کی ذمہ داری ہے' لیکن جو جتنا زیادہ صاحبِ اختیار ہے' اس کی ذمہ داری اتنی ہی زیادہ ہے۔خلافت کے نظام کے بغیر اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کی تفصیلات' منکر کو روکنا اور معروف کا حکم دینا' عدالت' معیشت اور سیاست کے امور' معاشرت کی باتیں' حلال و حرام کی تمیز وغیرہ اجتماعی ذمہ داریاں جن میں پورا دین آ جاتا ہے' ان پر عمل کرنا ممکن نہیں ہو گا۔اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ان امور کو بتمام و کمال انجام دینا ہے۔اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۰۸) میں فرماتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ ''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔اسلام فرد کی ذات سے شروع ہوتا ہے' عقیدے اور اعمال سے ہوتا ہوا نظام ریاست تک جاتا ہے۔اگر باطل کا نظام ہو' جیسا کہ آج ہمارے ہاں ہے' تو فرد کی ذاتی اصلاح بھی ممکن نہیں۔جیسے کسی نے کہا کہ ؎

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو کیسا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم!

آج ہمارے دین کا تصور ہی محدود ہو گیا ہے۔اقامت صلوٰۃ کا مطلب محض نماز پڑھنا ہی نہیں۔نظام خلافت میں نمازِ جمعہ اور عیدین کی نمازیں وقت کا حکمران پڑھاتا ہے۔جہاں جہاں علاقوں میں اس کے نمائندے موجود ہیں وہ یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔آج کے حکمرانوں کو اس فرض کی ادائیگی کے لیے کہا جائے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو اس قابل نہیں۔تو پھر وہ ہمارے حکمران کیوں ہیں؟ مسلمان حکمرانوں کی بھی کچھ صفات ہوتی ہیں۔اسلامی حکومت میں نماز صدر مملکت' وزیر اعظم' وزرائے اعلیٰ اور گورنر حضرات پڑھائیں گے۔اہل تشیع سے بہت سارے اختلاف اپنی جگہ پر لیکن انہوں نے یہ کام کر کے دکھایا ہے۔تہران میں جمعہ کی نماز میں بیسلاکھ نمازی ہوتے ہیں۔نمازِ جمعہ کی یہ شان ہوتی ہے۔یہ نہیں کہ جہاں دو چار سو نمازی ہو گئے وہاں جمعہ کی نماز ہو گئی۔قرآن حکیم نے سورۃ الحج (آیت ۴۱) میں مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری کے بارے میں کہا ہے کہ وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں تمکن عطا کریں وہ نماز قائم کریں گے..... یہ تو حکمرانوں کی پہلی ذمہ داری ہے۔یہ اقامتِ صلوٰۃ تو نہیں کہ لوگوں نے مل جل کر مسجد بنالی' چندہ جمع ہو گیا' مسجد کے ضروری سامان کا بھی بندوبست ہو گیا۔

اقامتِ صلوٰۃ کا معاملہ عدالت میں بھی آئے گا۔یہاں مسجد میں اللہ کو بڑا کہتے ہو تو عدالت میں بھی اللہ ہی بڑا ہو گا۔غیر اللہ کا بنایا ہوا قانون تو نہیں چلے گا۔وہ تو سیکولرزم ہے کہ ''اللہ کی بڑائی مسجد میں بیان کرو' گاڈ کو چرچ میں اور بھگوان کو مندر میں بڑا مانو..... جہاں تک

حکومت کا تعلق ہے تو یہ عوام کی‘ عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے چلے گی‘‘۔ یہ آج کا سب سے بڑا منکر ہے۔ یہ عوام عوام کی جو رٹ لگائی جاتی ہے تو یہ آئے کہاں سے ہیں؟ طاقت کا سرچشمہ تو اللہ کی ذات ہے نہ کہ عوام۔ قرآن کہتا ہے: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ﴾ (الانعام: ۵۷‘ یوسف: ۴۰ و ۶۷) کہ حکم کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔ جب کہ ہم اللہ کو خالق بھی مانتے ہیں‘ رب بھی مانتے ہیں‘ لیکن حاکم نہیں مانتے۔ ہم عوام کی حاکمیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ کفریہ نعرہ ہے۔ عوام کب سے حاکم ہو گئے؟ عوام تو اللہ کے خلیفہ ہیں‘ اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ عوام کی اکثریت کی رائے سے نافذ کردہ قانون تو سب سے بڑا منکر ہے۔

اب فقہی اعتبار سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ علماء لکھتے ہیں کہ یہ صاحبانِ اختیار پر فرض ہے‘ اس کے بعد علماء پر۔ اگر وہ نہ کریں تو بحث ہے کہ باقیوں پر فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ ایک رائے یہ ہے کہ ہو جاتا ہے۔ جامعۃ الرشید نامی ادارے کے مولانا زاہد اقبال صاحب نے بہت محنت سے خلافت کی تفصیلات پر ’’اسلامی نظام خلافت اور ہماری ذمہ داری‘‘ نامی کتاب لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر نظام خلافت قائم نہ ہو تو اوّلین ذمہ داری صاحبانِ اختیار اور پھر علماء پر ہے کہ اسے قائم کریں۔ تین دن گزر جانے کے بعد یہ فرض سب پر عائد ہو جاتا ہے۔ جیسی بھی خلافت جو ترکی میں قائم تھی وہ مصطفیٰ کمال کے ہاتھوں ۱۹۲۴ء میں ختم ہوئی اور آج خلافت کے ادارے کو ختم ہوئے نوے سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ مولانا نے تین دن کی مدت کیسے قرار دے دی‘ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جانشین خلیفہ کے لیے ایک کمیٹی چھ افراد پر مشتمل قائم کر دی‘ اس حکم کے ساتھ کہ ان چھ افراد میں سے کسی ایک کو تین دن کے اندر اندر اپنا خلیفہ بنا لینا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اوّلاً خلیفہ کے مقرر کیے جانے کی فکر ہوئی۔ خلیفہ کے تقرر کی اہمیت زیادہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت بغیر نظم حکومت کے نہ رہے۔ آج یہ فرض ہم سب پر عائد ہو چکا ہے کہ منکرِ اعظم یعنی باطل نظام کو ختم کر کے معروفِ اعظم یعنی نظام خلافت کو قائم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی جدوجہد کے لیے وہ امنگ عطا فرمائے جس کے نتیجے میں نظام خلافت کا قیام عمل میں آ سکے۔ آمین یاربّ العالمین!

❁❁❁

قرض کا لین دین

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

ہر انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ کسی کی ایک ضرورت دوسروں سے پوری ہوتی ہے اور کسی کو دوسری ضرورت کے لیے محتاجی ہوتی ہے۔ مالی حالت میں بھی تفاوت ہے۔ ایک شخص کی مالی حیثیت مضبوط ہے اور کوئی شخص نادار ہے۔ کوئی شخص بھی اپنی ہر ضرورت خود پوری نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات ایک شخص کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے رقم نہیں ہوتی تو وہ اپنے عزیز‘ دوست یا رشتہ دار سے قرض لیتا ہے۔ اس معاملے میں بھی اسلامی تعلیمات میں راہ نمائی موجود ہے۔ قرض کے معاملے میں تحریر لکھی جائے۔ قرض کی رقم کی واپسی کی تاریخ طے ہو۔ تحریر لکھنے والا دیانت داری کے ساتھ لکھے۔ جو قرض لے رہا ہے وہ دستاویز لکھوائے اور اس وقت دو مرد گواہ ہوں‘ اگر دو مرد میسّر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں۔ گواہ با اعتماد اور مسلمان ہوں۔ اگر قرض کا لین دین ان شرائط کے مطابق کیا جائے تو بعد میں کسی طرح کی الجھن پیدا ہونے کا امکان نہیں ہوگا۔ قرض دینے والا قرض کی دستاویز لکھنے میں سستی نہ کرے۔ حضرت ابوسلیمان مرعشیؒ نے کہا کہ اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی جو ایک مدت تک ادھار دیتا ہے‘ نہ اس پر گواہ رکھتا ہے‘ نہ لکھت پڑھت کرتا ہے‘ پھر جب مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے تو دوسرا شخص انکار کر دیتا ہے۔ اب یہ خدا سے دعا کرتا ہے‘ لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا‘ اس لیے کہ اس نے کام اس کے فرمان کے خلاف کیا اور اپنے رب کا نافرمان ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اگر کوئی ضرورت مند قرض مانگے تو مقتدر آدمی اُسے قرض ضرور دے‘ کیونکہ کسی کی ضرورت پوری کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ مقروض قرض کی رقم سے اپنی ضرورت پوری کر لے اور پھر وعدے کے مطابق رقم واپس کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’تم میں سے بہترین حضرات وہ ہیں جو قرض خوبی سے ادا کریں‘‘۔ (بخاری) قرض دینے والا مقروض پر

احسان کرتا ہے' اس کی ضرورت پوری کرتا ہے' اس لیے مقروض کا یہ فرض ہے کہ وہ شرائط کے مطابق قرض لے اور پھر واپس کرے۔ اگر کسی وجہ سے بر وقت واپس نہ کر سکے تو معذرت کر کے میعاد میں کچھ مہلت لے لے۔ قرض خواہ اگر تنگ دست کو مہلت دے دے تو یہ بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے اس کو محفوظ رکھے تو اس کو چاہیے کہ تنگ دست کو مہلت دے یا اپنا قرض معاف کر دے''۔ (مسلم)

مصیبت زدہ، پریشان حال یا ضرورت مند کی مدد کرنا اور اُس کے لیے آسانی پیدا کرنا اعلیٰ اخلاقی عمل اور اللہ کی رضا کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ چاہتا ہو تو وہ ایسے تنگی والے شخص کو یا مہلت دے یا معاف کر دے''۔ (طبرانی بحوالہ تفسیر ابن کثیر البقرۃ) جو شخص کسی مفلس پر رحم کر کے اپنے قرض کی وصولی میں اُس پر سختی نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اُس کے گناہوں پر اسے نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کرے (طبرانی' بحوالہ تفسیر ابن کثیر البقرۃ) حضرت ابوقتادہ ؓ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا' وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن یہ چھپ رہتے اور نہ ملتے۔ ایک دن وہ آئے تو گھر سے ایک بچہ نکلا' آپ نے اس سے پوچھا تو اُس نے کہا ہاں گھر پر موجود ہیں' کھانا کھا رہے ہیں۔ اب حضرت ابوقتادہؓ نے اونچی آواز سے اُسے پکارا اور فرمایا مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم گھر میں موجود ہو' آؤ باہر آؤ' جواب دو! وہ بیچارے باہر نکلے۔ ابوقتادہؓ نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں' میرے پاس رقم نہیں' شرمندگی کی وجہ سے آپ سے نہیں ملتا۔ ابوقتادہؓ نے کہا قسم کھاؤ۔ اس نے قسم کھالی۔ ابوقتادہؓ رو دیئے اور اس کا قرض معاف کرتے ہوئے فرمانے لگے: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی نادار قرض دار کو ڈھیل دے یا اپنا قرضہ معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہوگا''۔ (صحیح مسلم بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

تنگ دست مقروض کو مہلت دینا یا اُس سے درگزر کرنا بڑی اونچے درجے کی نیکی ہے جو انسان کے گناہوں کی معافی کا سبب بن سکتی ہے۔ ایک بندہ جس کو اللہ نے (دنیا میں) مال عطا فرمایا تھا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: دنیا میں تو نے کیا عمل کیے۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ سے تو کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ اے میرے رب! تو نے جو مال مجھے دیا تھا

میں اس سے لوگوں کے ساتھ لین دین کرتا تھا' درگزر میری عادت تھی' جو مال دار ہوتا اس سے نرمی کرتا اور جو تنگ دست ہوتا اسے معاف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں ایسا کرنے کا تجھ سے زیادہ مستحق ہوں۔ میرے اس بندے سے درگزر کرو''۔ (مسلم)

دین اسلام میں آسانی ہے تنگی نہیں۔ قرض کے معاملے کو گواہوں کی موجودگی میں لکھ لینا اچھا ہے' لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو بھی ادھار کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ لکھ لینا استحباب کے درجہ میں ہے' اگر پورے طور پر اعتماد ہو تو لکھے بغیر بھی یہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار مانگے۔ اس نے کہا گواہ لاؤ۔ جواب دیا خدا گواہ کافی ہے۔ کہا: ضمانت لاؤ۔ اُس نے کہا خدا کی ضمانت کافی ہے۔ ادائیگی کی میعاد مقرر ہو گئی۔ اُس نے ایک ہزار دینار گن کر دے دیے۔ مقروض رقم لے کر بحری سفر پر چلا گیا۔ جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو وہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی کشتی ملے تو بیٹھ کر جاؤں اور رقم ادا کر آؤں' لیکن کوئی کشتی نہ ملی۔ جب دیکھا کہ وقت پر پہنچ نہیں سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اور اُسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا اور منہ بند کر دیا۔ اور خدا سے دعا کی کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لیے تھے' اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی تو میں نے تجھے ضامن بنایا۔ اس پر وہ خوش ہو گیا۔ اُس نے گواہ مانگا تو میں نے تجھے گواہ رکھا۔ وہ اس پر بھی خوش ہو گیا۔ اب جبکہ مقررہ وقت ختم ہونے کو آیا ہے تو میں نے ہر چند کشتی تلاش کی کہ جاؤں اور اپنا قرض اتار آؤں' لیکن کوئی کشتی نہیں ملی۔ اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں کہ یہ رقم اُسے پہنچا دے۔ پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا۔ لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو چلا جاؤں۔ ادھر جس شخص نے قرض دیا تھا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اُسے قرض واپس لینے جانا چاہیے تو وہ بھی سمندر کے کنارے آ کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا' مگر جب شام ہونے کو آئی تو یہ واپس لوٹنے لگا۔ کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو اُس نے اٹھالی کہ جلانے کے کام آئے گی۔ گھر جا کر جب اس لکڑی کو چیرا تو اُس میں دینار تھے۔ گنے تو پورے ایک ہزار تھے۔ وہیں پرچے پر نظر پڑی۔ پھر ایک دن وہی شخص ایک ہزار دینار لے کر آ گیا اور کہا معاف کرنا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی۔ آج کشتی ملی تو آپ کی رقم لے کر حاضر ہو گیا ہوں۔ اس نے کہا جو

رقم تم نے لکڑی میں ڈال کر توکّل علی اللہ سمندر میں ڈال دی تھی اُسے خدا نے مجھ تک پہنچا دیا ہے اور میں نے اپنی پوری رقم وصول کر لی ہے۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ انسانیت کے لیے اُسوۂ حسنہ تھے۔ آپؐ نے خرید و فروخت میں ادھار کا معاملہ بھی کیا۔ آپؐ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ اعرابی رقم لینے کے لیے آپؐ کے پیچھے پیچھے چلا۔ حضور ﷺ آگے نکل گئے۔ وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا' لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے۔ انہوں نے قیمت لگانی شروع کی۔ یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپؐ کے ہاتھ بیچا تھا اُس سے زیادہ دام لگ گئے۔ اعرابی کی نیت خراب ہوئی اور اس نے آپؐ کو آواز دے کر کہا: حضرت یا تو لے لیجئے یا میں کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں۔ حضور ﷺ یہ سن کر رکے اور فرمانے لگے: تم تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکے ہو' اب تم کیا کہہ رہے ہو؟ اُس نے کہا: نہیں' اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا۔ آپؐ نے فرمایا: غلط کہتے ہو' میرے تمہارے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے۔ اس گنوار نے کہا: اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا۔ مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ اے شخص آپ ﷺ تو خدا کے پیغمبر ہیں' آپؐ کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے' لیکن وہ یہی کہے جا رہا تھا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے اعرابی کی بات سنی تو فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو یہ گھوڑا آنحضرت ﷺ کے ہاتھ بیچ چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیسے شہادت دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہؓ نے کہا کہ آپ ﷺ کی تصدیق اور سچائی کی بنا پر۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ''آج سے خزیمہؓ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے''۔ (مسند احمد بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

کسی کو قرض دے کر اُس کو پریشانی سے نجات دلانا' اس کی مشکل آسان کرنا اور ضرورت پوری کرنا صدقہ اور خیرات کرنے سے بھی افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے اُس کو جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے اتنے دنوں تک ہر دن اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے''۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''ہر دن اس سے دگنی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا''۔ یہ سن کر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ پہلے تو آپؐ نے ہر دن اس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا' آج دو مثل فرماتے ہیں۔ فرمایا: ''ہاں جب تک میعاد ختم نہیں ہوتی ایک مثل ثواب ہے' میعاد گزرنے کے بعد دو مثل''۔ (مسند احمد)

اوپر ذکر ہوا کہ کسی ضرورت مند کو قرض دینے والا بڑے اجر کا مستحق ہے اور یہ بھی کہ اُسے صدقہ اور خیرات کرنے سے بھی کئی گنا ثواب ملتا ہے۔ مقروض کو بھی تلقین کی گئی ہے کہ جلد از جلد قرضہ اتارنے کی کوشش کرے۔ پھر جو ضرورت مند قرض لیتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جلدی قرضہ اتار دے تو اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرتا ہے اور وہ جلد ہی اپنا قرضہ واپس کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جس مقروض کی نیت خراب ہو اُسے قرضہ واپس کرنے کی جلدی نہیں ہوتی اور وہ خواہ مخواہ قرضہ دینے والے کو پریشان کرتا ہے۔ قرضہ معاہدے کے مطابق ادا نہ کرنا اور قرضے کا بوجھ اٹھائے ہوئے قبر میں چلے جانا بڑا گناہ کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فی سبیل اللہ شہید ہونے والے کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا جب تک اُس کا قرض ادا نہ ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' اگر کوئی فی سبیل اللہ شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو جائے' اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہ خدا میں شہید ہو جائے اور پھر زندہ ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ اس وقت تک جنت میں نہ جا سکے گا جب تک اُس کا قرض ادا نہ ہو جائے''۔ (مسند احمد)

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جنازہ پڑھنے سے پہلے دریافت فرما لیتے کہ مرنے والے کے ذمہ کوئی قرض تو نہیں؟ اگر ہوتا تو اُس کی ادائیگی کا انتظام کرتے۔ آج بھی آپ ﷺ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے نماز جنازہ پڑھانے والے میت کے لواحقین کو تلقین کرتے ہیں کہ اگر متوفی کے ذمہ قرض ہو تو وہ ادا کر دیں۔ اور لوگوں کو کہتے ہیں کہ قرضے کی رقم یا تو معاف کر دیں اور بڑا ثواب لیں یا میت کے ورثا سے وصول کر لیں۔ آپ ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ ممکن ہو تو قرضہ واپس کرتے وقت قرض کی رقم سے کچھ زیادہ واپس کیا جائے۔ چنانچہ اصحابِ رسول بھی اس سنت پر عمل کرتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا۔ جب آپؐ نے ادا فرمایا تو (میری واجبی رقم سے) زیادہ عطا فرمایا (سنن ابوداؤد)۔ قرض دار اگر ادائیگی کے وقت اپنی طرف سے کچھ زیادہ ادا کرے تو یہ مستحب اور سنت ہے' یہ ربا نہیں' بلکہ تبرع اور احسان ہے۔ اس مسنون عمل کو رواج دینے کی ضرورت ہے۔

❁❁❁

اسلام میں ساس اور سسر کے حقوق

آمنہ عبید خواجہ

یہ مضمون ماہنامہ میثاق' ماہِ اپریل ۲۰۱۵ء میں شائع شدہ مضمون بعنوان ''لڑکی کا علیحدہ گھر کا مطالبہ'' میں بعض خامیوں اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے طور پر پیش خدمت ہے۔

ہماری رائے میں مذکورہ بالا مضمون میں ساس اور سسر کے ساتھ سلوک کو ایک غیر حقیقی (twisted) انداز میں پیش کیا گیا ہے جو بادیٔ النظر میں اسلام کی روح کے منافی ہے اور مسلم معاشرے کے خاندانی تصورات اور توقعات سے بھی متصادم ہے۔ اس مضمون کی تحریر میں یقیناً مضمون نگار کے ذاتی تجربات اور مشاہدات بھی گُندھے ہوئے ہیں اور بعض مخصوص پس منظر رکھنے والے حالات میں یہ مطالبہ قرین قیاس کیا' لازمی بھی ہوسکتا ہے' مگر علی الاطلاق 'بہو' کا 'شوہر' کے والدین کی خدمت سے انکار قرآن و حدیث سے ثابت کر دینا..... کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات کا ایک متوازن اور حسین چہرہ نہیں کہا جاسکتا۔

یہ بات درست ہے کہ والدین کی خدمت کا اوّلین فرض اولاد (بیٹے اور بیٹیوں) پر عائد ہوتا ہے' مگر ایسی صورت میں کہ ساس' سسر' بیٹا اور بہو ایک ہی چھت تلے رہ رہے ہیں تو اسلام کی روح اور تعلیمات (letter & spirit) کی رو سے یہ قطعی نامناسب اور غلط طرزِ عمل ہوگا کہ بہو بوڑھے ساس سسر سے بالکل بے رُخی برتے اور ان کی کسی بھی طرح مدد نہ کرے۔

(۱) سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ.....﴾ (آیت ۳۶)

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' اور حسن سلوک کرو ماں باپ کے ساتھ' قرابت داروں کے ساتھ' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار

ہمسایوں' اجنبی ہمسایوں' پہلو کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ.....''

ہم سب سے پہلے اسی آیت مبارکہ کے مفاہیم کو بنیاد بناتے ہوئے ساس اور سسر کے ساتھ مطلوب سلوک پر روشنی ڈالیں گے۔ غور فرمائیے کہ کیا ساس سسر قرابت داروں میں شامل نہیں ہیں؟ اسلام میں دو طرح کے رشتوں اور تعلق کا ذکر ہے: رحمی رشتے اور سسرالی رشتے (نَسَبًا وَّ صِهْرًا) اور دونوں اہم ہیں۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ﴾ (الفرقان: ٥٤)

''اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا' پھر اس کو نسب والا اور سسرال والا بنایا۔''

اس میں شک نہیں کہ رحمی رشتوں کی اہمیت زیادہ ہے' مگر قانونی اور سسرالی رشتوں کو بالکل نظر انداز کر دینا اور قطعاً کوئی اہمیت نہ دینا بھی غلط ہے اور کسی درجے میں ﴿يَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ کے مترادف ہے۔ اسلام یقیناً اپنی روح کے اعتبار سے اِتصال اور ہم آہنگی کا دین ہے نہ کہ انقطاع اور انتشار کا۔

سورۃ النساء کی آیت مبارکہ میں دراصل درجہ بدرجہ انسانی تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ حسن سلوک کے اوّلین حق دار والدین ہیں' پھر اس نیک برتاؤ کا دائرہ رشتہ داروں تک وسیع ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی برکات ان تمام محتاجوں اور ضرورت مندوں تک پہنچنی چاہئیں جو انسانی برادری کا حصہ ہیں۔ ڈاکٹر محمد علی الہاشمی اپنی کتاب "شخصية المسلم كما يصوغها الاسلام في الكتاب والسُّنّة" (ترجمہ: مثالی مسلمان' کتاب وسنت کی روشنی میں) میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''حسن سلوک کے مستحقین کی یہ ترتیب انسانی مزاج سے میل کھاتی ہے جو حسن سلوک کا آغاز اپنے قریب ترین لوگوں سے کرنا چاہتا ہے''۔ یہ انگریزی محاورے "Charity begins at home" والا اصول ہے۔

والدین' قرابت داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے بعد اللہ تعالیٰ بے حد خوبصورتی سے جوار یا قرابت کی ایک اور سطح یا ایک اور دائرہ بیان فرماتے ہیں۔ حکم دیا گیا ہے کہ رشتہ دار ہمسائے اور اجنبی ہمسائے سے حسن سلوک کیا جائے۔ مزید یہ کہ پہلو کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے۔ یہاں پر پہلو کے ساتھی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ محفل میں ساتھ بیٹھنے والا' جماعت میں ساتھ بیٹھنے والا اور کوئی بھی شخص جو عارضی طور پر آپ کی رفاقت میں کسی جگہ موجود ہو' شامل ہیں۔ آیت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک حسن

سلوک کا ہالہ ہے جو مؤمن کے گرد ہے اور اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے کہ کوئی بھی جو اس کے جوار میں موجود ہو‘ اس ہالے کی برکت اس تک پہنچنی چاہیے‘ چاہے وہ گھر میں عارضی طور پر آیا ہوا مہمان ہو یا مستقل طور پر مقیم گھر کا فرد‘ چاہے وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتے دار‘ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

اب اس آیت کے تناظر میں دیکھئے۔ ساس سسر اوّل تو رشتہ دار ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ اسی گھر میں رہائش پذیر ہیں اس طرح کہ ان کے کمرے‘ منزل یا گھر کا حصہ علیحدہ ہے تو وہ جار ذی القربیٰ (ہمسائے جو قرابت دار ہوں) کی حیثیت سے حسن سلوک کے حقدار ہیں۔ اگر کوئی ان کو قرابت دار بھی نہ مانے تو اجنبی ہمسایہ ہی گردان لے‘ اس حیثیت سے بھی نیک سلوک واجب ہوگا۔

سوچئے کہ اگر بیٹا شادی شدہ ہے اور اسی چھت تلے رہ رہا ہے تو کیا وہ دین جس کی یہ تاکید ہے کہ:

((اِذَا طَبَخْتَ مَرْقَةً فَاَكْثِرْ مَاءَ هَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ)) (۱)

’’جب تم شوربہ پکاؤ تو اس میں بے شک پانی ڈال لیا کرو مگر اپنے پڑوسی کی خبر گیری ضرور کر لیا کرو‘‘۔

یہ پسند کرے گا کہ جوان بہو صرف اپنے بچوں اور شوہر کے لیے کھانا پکائے جبکہ بوڑھی ساس (۶۰ یا ۶۵ سال سے زائد) خود اپنے اور بوڑھے خاوند کے لیے پکائے اور باورچی خانہ سنبھالے اور بہو لاتعلق رہے؟ (۲)

مصنفۂ مضمون کا متصل باورچی خانے (attached kitchen) کا تصور بوڑھے اور ضعیف ساس سسر کے تناظر میں دینی تعلیمات کو ساتھ ہم آہنگ نظر نہیں آتا بلکہ سنگدلانہ محسوس ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے: ((الجيران ثلاثة.....)) پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے اور حق کے اعتبار سے اس کا کم از کم حصہ ہے۔ ایک پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں۔ ایک کے تین حق ہیں۔ وہ ہمسایہ جس کا صرف ایک حق ہے وہ مشرک ہمسایہ ہے‘ اسے صرف حق ہمسائیگی حاصل ہے۔ وہ ہمسایہ جس کے دو حق

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب البر والصلة والآداب‘ باب الوصية بالجار والاحسان اليه۔

(۲) دنیا بھر میں ۶۰ یا ۶۵ سال کی عمر کو بڑھاپے کی threshold کے طور پر لیا جاتا ہے اور ترقی پذیر ممالک میں جہاں صحت عامّہ کم اچھی ہے نسبتاً کم عمر سے بڑھاپے کا آغاز ہو جاتا ہے۔

ہیں وہ مسلمان ہمسایہ ہے‘ اسے ایک حق اسلام اور دوسرے ہمسائیگی کا حق حاصل ہے۔ اور وہ ہمسایہ جسے تین حق حاصل ہیں وہ قرابت دار مسلمان ہمسایہ ہے‘ اسے حق اسلام‘ حق قرابت اور حق ہمسائیگی حاصل ہے۔ (مسند بزار)

بوڑھے ساس سسر یقیناً اس تیسرے حق کے حقدار ہیں جبکہ وہ اسی چھت کے نیچے اور جوار میں رہائش پذیر ہوں۔

حدیث ملاحظہ فرمائیں: قیامت میں بہت سے ایسے پڑوسی ہوں گے جو اپنے پڑوسی کو پکڑیں گے اور کہیں گے: ’’یا ربّ! اس نے میرے لیے اپنا دروازہ بند رکھا اور خیر اور احسان کا معاملہ کرنے سے باز رہا‘‘۔ (۱)

بوڑھے ساس سسر سے بے رُخی کیسے روا رکھی جا سکتی ہے‘ جبکہ ارشادِ نبوی ہے:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ ، اِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى)) (۲)

’’باہمی محبت و مودّت‘ لطف و کرم اور رحم و ہمدردی میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ جب اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا بدن بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیند اچاٹ ہو جاتی ہے‘‘۔

اس زمانے میں جب ضرورت اس امر کی ہے کہ باہمی رحم و ہمدردی کی ترغیب دلائی جائے‘ اس بات کا پرچار کرنے سے کہ بہو پر ساس سسر کی مدد کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی‘ بوڑھوں کے حقوق یقینی طور پر مجروح ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس طرح ان کے ساتھ بدسلوکی‘ زیادتی اور حق تلفی کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ ’’اصلاحِ معاشرہ‘‘ کے عنوان کے تحت لکھا گیا یہ مضمون دراصل معاشرے میں بگاڑ کی طرف لے کر جانے والا ہے۔

(۲) ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا)) (۳)

(۱) الترغيب والترهيب‘ كتاب البر والصلة‘ باب الترغيب فى كفالة اليتيم ..... الخ ۲۷۔

(۲) صحيح البخارى‘ كتاب الادب‘ باب رحمة الناس والبهائم۔ وصحيح مسلم‘ كتاب البر والصلةوالآداب‘ باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم۔

(۲) سنن الترمذى‘ ابواب البر و الصلة۔ باب ما جاء فى رحمة الصبيان۔ وسنن ابى داوٗد‘ كتاب الادب‘ باب فى الرحمة۔

''اس شخص کا تعلق ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کے شرف و فضل کو نہیں پہچانتا۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ)) (۱)

''یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں شامل ہے کہ سفید بالوں والے (بوڑھے) کا احترام کیا جائے۔''

کیا ادب اور تعظیم صرف اور صرف زبانی احترام (lip service) تک محدود ہے یا بڑھاپے اور ضعف العمری کا خیال کرتے ہوئے ہاتھ بٹانا اور جسمانی مشقت کے کاموں میں معاونت کرنا بھی اس میں شامل ہے؟ ہمارے معاشرتی نظام میں جہاں بیٹیاں شادی کے بعد اپنے اپنے گھروں میں ہوتی ہیں' بیٹے روزگار کے لیے گھر سے باہر ہوتے ہیں اور عورتیں خانہ داری کے کام سرانجام دیتی ہیں' کیا یہ کہنا معقول ہوگا کہ مرد رات کو گھر واپس آ کر ماں باپ کے لیے کھانا پکائے جبکہ سارا دن گھر میں موجود جوان بیوی صرف اپنی ذات' اولاد اور میاں کے لیے پکائے؟

مصنفہ کا یہ کہنا کہ ساس یہ سمجھے کہ اگر بہو اس کا کوئی کام کر دیتی ہے تو وہ ساس پر احسان کر رہی ہے..... انتہائی نامناسب ہے اور بوڑھی ساسوں کے لیے کتنا دل آزاری کا باعث ہوگا! وہ دین جو یہ چاہتا ہے کہ بڑھاپے میں والدین کو اُف تک نہ کہا جائے' یہ گوارا کرے گا کہ بہوئیں ساس سسر کو کھری کھری سنائیں اور اعلان کریں کہ ہمارے اوپر آپ کی خدمت قطعاً فرض نہیں' اگر کوئی کام کر دیا تو یہ احسان ہے! کچھ باتیں ادب' خوش اخلاقی اور etiquette کا تقاضا ہوتی ہیں۔ اگر میں اپنے گھر آئے مہمان کو یہ کہہ دوں کہ مجھ پر فرضِ عین تو نہیں کہ آپ کی مہمانداری کروں' یہ جو کچھ پیش کر رہی ہوں یہ احسان ہے جس پر آپ کو شکر گزار ہونا چاہیے تو مہمان کو کیا محسوس ہوگا؟ قرآن کی اصطلاح ''احسان'' کا معنی وہ نہیں ہے جو عام طور پر اُردو بول چال میں ہم احسان کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرانی اصطلاح کا مطلب انتہائی عمدہ اور بہترین طرزِ عمل ہے۔ اُمّ عبدِ منیب اپنی کتاب ''بہو اور داماد پر سسرال کے حقوق'' میں لکھتی ہیں:

''ساس سسر کی خدمت و احترام یا نگرانی کا احسان مرد پر نہ رکھے نہ کسی اور کو جتائے' بلکہ اللہ کی رضا اور خوشی کے لیے یہ سب کچھ کرے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾

(۱) سنن ابی داوٗد' کتاب الادب' باب فی تنزیل الناس منازلھم۔

اے ایمان والو! اپنی نیکی (صدقہ) کو احسان جتلا کر ضائع مت کرو۔

کبشہ بنت کعب بن مالک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ابن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ایک دن (میرے سسر) ابوقتادہؓ آئے' میں نے ان کے وضو کے لیے پانی رکھا۔ اتنے میں بلی آئی اور پانی پینے لگی۔ ابوقتادہؓ نے برتن جھکا دیا۔ مجھے تعجب ہوا تو ابوقتادہ نے کہا: کیا تم تعجب کرتی ہو اے میری بھتیجی؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلّی نجس نہیں' کیونکہ وہ عموماً تمہارے ہاں پھرتی رہتی ہے (یعنی اس کا جوٹھا ناپاک نہیں)۔ (۱)

معلوم ہوا کہ ساس اور سسر کی خدمت عہدِ رسالت میں بھی بہوئیں کیا کرتی تھیں اور یہی ایک مسلمان بہو کو زیب دیتا ہے۔''

(۳) صحیح بخاری کی حدیث ہے:

((وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا .....وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ)) (۲)

''عورت اپنے خاوند کے گھر والوں کی راعیہ (نگران) ہے اور اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی.....''

اس حدیث کے ضمن میں اُمّ عبدمنیب اپنی کتاب ''بہو اور داماد پر سسرال کے حقوق'' میں لکھتی ہیں:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اس کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے:

میں نے نکاح کیا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کنواری سے نکاح کیا یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا بیوہ سے۔ آپؐ نے فرمایا: کنواری سے کیوں نہیں کیا؟ (اس وقت حضرت جابر کی عمر ۱۵' ۱۶ سال تھی) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول' میرے باپ شہید ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنے پیچھے نو بیٹیاں (یا سات) چھوڑی ہیں۔ میں نے چاہا ایک ایسی عورت لاؤں جو ان کی اصلاح و نگرانی کرے اور ان کی کنگھی چوٹی کرے۔ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: اللہ تجھے برکت دے۔ (صحیح مسلم' کتاب الرضاع)

معلوم ہوا یہ عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کے اہل خانہ کی نگرانی کرے۔ خاوند کے

(۱) سنن ابی داود' کتاب الطھارۃ' باب سؤر الھرۃ: ۷۵

(۲) صحیح البخاری' کتاب الجمعۃ' باب الجمعۃ فی القری والمدن۔ یہ حدیث صحاحِ ستہ میں مکرر آئی ہے۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الرضاع'

اہل خانہ میں وہ تمام افراد شامل ہیں جو کوئی کفیل یا نگران نہ رکھتے ہوں اور یہی مردان کا کفیل ہو' مثلاً خاوند کے کم سن بہن بھائی' مطلقہ یا بیوہ بہن' خاندان کے دیگر بے سہارا بچے' خاوند کے دوسری بیویوں سے بچے' خاندان کے کمزور' بوڑھے' بیمار افراد' کنیز' غلام اور مہمان۔''

عورت کو ان کا حق نگرانی ادا کرنا چاہیے۔ اسی سلسلے میں یہاں ذکر کر دیا جائے کہ بعض علماء کی رائے میں سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں ﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ﴾ کے جو الفاظ آئے ہیں کہ نیک عورتیں خاوندوں کی غیر موجودگی میں اُن امانتوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں جن پر اللہ نے ان کو نگران بنایا' اس میں خاوند کے بوڑھے ماں باپ بھی شامل ہیں جن کو اس کا شوہر ایک امانت کے طور پر اس کے سپرد کرتا ہے۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ (نیک عورتیں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں) اور حدیث کی رو سے عورت پر سب سے زیادہ حق اُس کے شوہر کا اور آدمی پر سب سے زیادہ حق اُس کی ماں کا ہے۔ سادہ سی بات ہے (putting two and two together) اگر خاوند بیوی کو حکم دے یا اس سے توقع کرے کہ وہ اس کے ماں باپ کی خدمت کرے تو اس صورت میں بیوی پر اطاعت فرض ہے۔ کسی بھی صورتحال میں (یا کسی بھی فریق پر) ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ عورت پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا جائے' مگر حسبِ استطاعت معروف طریقے سے بوڑھے ساس سسر کی خبر گیری کا تقاضا اگر خاوند کی طرف سے ہے تو بالکل جائز اور مناسب ہے۔

(۴) یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مضمون کے ذریعے ہم مشترکہ خاندانی نظام کی حمایت نہیں کر رہے اور نہ ہی یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اسلام مشترکہ خاندانی نظام کا حامی ہے' مگر بہر طور اگر والدین بوڑھے/ضعیف/ بیمار ہیں تو اسلام کی روح اور مجموعی تعلیمات کے اعتبار سے کم از کم ایک بیٹے کا ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے' کیونکہ اس عمر میں جب کہ ان کو مدد' تعاون اور حسن سلوک کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے' ان کو اکیلے چھوڑ دینا صحیح طرزِ عمل نہیں ہوگا۔

(۵) مصنفہ مضمون کی ساس اور سسر کو یہ تنبیہہ کہ ''اپنے دل کو بیٹے اور اس کی اولاد میں لگانے کی بجائے آخرت کی بھیانک اور خوفناک منزلوں سے نبرد آزما ہونے کی طرف راغب کریں'' انتہائی نامناسب اور ناقابل فہم ہے۔ کیا بوڑھے رہبانیت اختیار کر لیں؟ آخرت کا خیال جوانوں پر بھی لازم ہے اور اسلام دین اور دنیا میں توازن رکھتا ہے۔

(۶) مصنفہ نے ساس کو ایک بلا کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ساسوں کے ظلم کی چھ مثالیں

آپ نے پیش کیں۔ بہوؤں کی طرف سے زیادتی' ناانصافی' فتنہ و فساد اور ظلم و تعدی کی بھی لاتعداد مثالیں ہیں۔ مذکورہ مضمون میں تصویر کا صرف ایک رُخ پیش کیا گیا ہے۔

(۷) میں یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ بعض لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کے مسلمان پر صرف وہی چھ حقوق ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں بیان ہوئے ہیں (جب کسی مسلمان سے ملے تو سلام کرے' جب وہ دعوت دے تو قبول کرے' اسے چھینک آئے تو الحمدللہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہے' بیمار ہو تو اس کی عیادت کو جائے' فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو) اور یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ یہی چھ حقوق سسرالی رشتہ داروں کے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں۔ مسلمان پر مسلمان کے حقوق کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں کچھ حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا علاوہ بے شمار حقوق قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں جو مختلف حیثیتوں (roles) کے لحاظ سے لاگو ہوتے ہیں۔ مثلاً ماں باپ کے حقوق' قرابت داروں کے حقوق' ہمسائے کے حقوق وغیرہ۔ عام مسلمان جس سے دوسرا کوئی تعلق بھی نہ ہو یعنی صرف اُمتی ہونے کا رشتہ ہو اس کے بھی چالیس حقوق مولانا اشرف علی تھانوی نے ''بہشتی زیور'' میں درج کیے ہیں۔

(۸) میثاق کے مئی کے شمارے میں عبداللہ العزیز الغفور صاحب کا جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں بعض نہایت اہم باتیں آ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی روح اور تعلیمات کا صحیح فہم عطا فرمائے اور حقوق و فرائض کی بہترین پاسداری کی توفیق دے۔ آمین! ❁❁❁

ذُوالقرنین، سدِّ ذُوالقرنین اور --- یاجوج ماجوج (۹)

شاہین عطر جنجوعہ

صنعتی انقلاب کے دولت پر اثرات

صنعتی انقلاب سے پہلے دولت کا اوّلین ذریعہ زمین تھی' البتہ صنعتی انقلاب کے ذریعے ڈھیروں دولت بنانے کا ایک نیا ذریعہ سامنے آیا جو فیکٹریاں اور مشینری کی ملکیت سے حاصل ہوتا ہے۔ فیکٹریوں اور مشینری میں سرمایہ کاری کرنے والے کسی ایک طبقے (زمیندار' اشرافیہ' صنعت کار' ادنیٰ تاجر) سے متعلق نہیں ہوتے تھے۔ ان سب میں ایک خوبی مشترک تھی (چاہے وہ کسی بھی طبقے' گروہ یا مذہب سے تعلق رکھتے تھے) نئی مہموں میں سرمایہ لگانے کی جرأت۔ یہی سرمایہ دار تھے جنہوں نے صنعتی انقلاب کو ضروری تحرک دیا۔

ابتدائی دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ دار' اپنے سرمایہ کے ابتدائی ذریعے سے متعلق شعبے میں سرمایہ لگاتے' صنعت کار اپنے سرمائے کا بڑا حصہ اپنے کاروبار سے منسلک حصے میں لگاتے اور ان کاروباروں میں لگاتے جو ان کے بنیادی کاروبار سے متعلق ہوتا۔ آخر کار جب بڑے پیمانے پر مالی فوائد سمیٹنے کے مواقع بڑھے تو یہ بالکل عام بات ہوگئی کہ یہ کاروباری طبقہ ان مہموں میں بھی خرچ کرنے لگا جس کے بارے میں انہیں بہت قلیل معلومات ہوتیں۔

انڈسٹریلائزیشن کے فوائد برقرار رکھنے کے لیے برطانیہ اپنی ایجادات کو راز رکھنا چاہتا تھا' چنانچہ جو بھی شخص فیکٹری میں کام کرتا اس کو ملک چھوڑنے سے روکا جاتا' جبکہ امریکن اس

☆ ''بحث ونظر'' کے عنوان سے شائع شدہ مضامین کے مندرجات سے ادارۂ میثاق کا اتفاق ضروری نہیں۔ وضاحت طلب امور کے لیے صاحب مضمون سے رابطہ کیا جاسکتا ہے:

(فون:03345080530) ای میل: shaheenattar@yahoo.com

شخص کو بہت انعام دیتے جو امریکہ میں کاٹن سپننگ مشین لگا دیتا۔ Samuel Slatev جو برطانیہ میں کاٹن فیکٹری میں Apprentice تھا' نے بھیس بدلا اور امریکہ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے یادداشت سے Cotton Spinning مشین بنائی۔

ایک ملک (برطانیہ) میں صنعتی انقلاب برپا ہوا تو اس عمل کی نقالی باقی دنیا کے ملکوں کو بھی آہستہ آہستہ کرنی پڑی' لیکن مختلف ممالک میں مختلف وجوہ سے یہ عمل دیر سے اور آہستہ آہستہ ہوا۔

فرانس میں سیاسی انتشار کی وجہ سے صنعتی انقلاب کا داخلہ اور ترویج آہستہ ہوئی۔ 1970-71 میں تیسری جمہوریہ کے بعد اس میں تیزی ہوئی۔ فرانس میں کوئلے کی مقدار کم تھی' اس لیے بھی صنعتی انقلاب میں رکاوٹ ہوئی۔ برطانیہ میں تو تمام انڈسٹری مشینی (mechanize) ہوگئی تھی۔ لیکن ادھر فرانس میں معیشت ابھی دستکاری (handicrafts) صنعت پر منحصر تھی۔

جرمنی میں اندرونی ریاستوں کے افتراق کی وجہ سے انقلاب دیر سے برپا ہوا۔ Tariff کی رکاوٹیں' رسل ورسائل کی کمی' نوآبادیاتی مارکیٹ کا نہ ہونا اور سرمایہ کاری کے لیے دولت نہ ہونے کی وجہ سے جرمنی میں صنعتی انقلاب جلد قدم نہ جما سکا۔ 1871ء میں پرشین (prussian) کے تحت جرمنی کے اتحاد کے بعد صنعتی اور تجارتی سرگرمیوں کی اشاعت ہوئی۔ جرمن حکومت نے سٹیل اور لوہے کی صنعت قائم کی' رسل اور رسائل بہتر بنائے' جرمن کمپنیاں طاقتور اور خوشحال ہوگئیں۔

ایشیا میں پہلی قوم جاپان تھی جو صنعت پذیر ہوئی۔ چائنا اور انڈیا میں قدیم تجارت اور دست کاریاں برقرار رہیں۔ رشیا (Russia) بھی کاشت کار معاشرہ ہی تھا' تا آنکہ 1917ء میں انقلاب کے بعد 1928ء میں پہلی دفعہ 5 سالہ صنعتی منصوبہ بنایا گیا۔

متذکرہ بالا تاریخ کو نمایاں خدوخال سے یاد رکھنے کی خاطر ان کا ایک خلاصہ اور اجمالی نقشہ یہاں بے فائدہ نہ ہوگا۔

(1) اپنی خامیوں کی وجہ سے قدیم جاگیرداری جدید سرمایہ داری کی ایک مخالف قوت اور رکاوٹ تھی۔

(2) جاگیرداری نظام قدیم تجارت کی بھی سرپرست تھی' لہٰذا قدیم تجارت بھی جاگیرداری کی مرہونِ منت تھی۔

(3) مشرق کی سلطنتوں مثلاً ایران یا ہندوستان میں قدیم جاگیرداری برقرار رہی۔

(4) مغرب کی رومی سلطنت بھی اگرچہ جاگیردارانہ سلطنت تھی لیکن گوناگوں عوامل کی وجہ سے

وہاں جدید تاجرانہ اور صنعت کارانہ سرمایہ داری غالب ہوگئی۔

رومی سلطنت میں سرمایہ کاری کی جدید شکل کے نمودار ہونے کی وجوہات مندرجہ ذیل تھیں:

(ا) جنوبی یورپ کے ملک اٹلی کے شہر Florence, Venice اور Genoa وغیرہ کسی سلطنت اور نتیجتاً حکومت کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے آزاد تاجرانہ' علمی سرگرمی کا مرکز بنے۔ ایک طرف احیاءِ علوم ہوا تو دوسری طرف مالی سرگرمیوں اور لین دین کے طریقے مثلاً بینک' سٹاک ایکسچینج ایجاد ہوئے۔ جس سے وہاں کے یہود اور عیسائی دونوں طبقات نے فائدہ اٹھایا۔

(ب) مغربی عیسائی رومی سلطنت میں سب سے مضبوط رشتے مذہب کے اجتماعی سیاست سے نکل جانے کی وجہ سے ملکی ریاستوں اور قوموں کا ظہور۔

(ج) برطانیہ میں مخصوص سیاسی مسائل کی وجہ سے آزاد مزدور اور کاشت کار طبقے کا ظہور۔

(د) سائنسی علوم وفنون اور ایجادات کا فروغ۔

(س) قدیم جاگیرداروں کے مقابلے میں تجارت اور صنعت کے ذریعے دولت کے حصول کے نئے مواقعوں کا ظہور۔

(ش) زمینوں سے محروم عیسائیوں اور پہلے سے تجارت ہی میں سرمایہ کاری کرنے والے یہود نے تجارت اور سائنسی علوم وفنون پر مبنی ایجادات کی صنعت کاری سے ڈھیروں سرمایہ کمانا شروع کر دیا۔

(ص) صنعت کاری اور تجارت' اوّل برطانیہ' پھر جرمنی' فرانس اور دیکھتے دیکھتے پوری دنیا میں بیسویں صدی کے وسط تک قدیم جاگیرداری کے مقابلے میں سرمایہ داری کا سب سے غالب اور نفع بخش کام بن گئی۔

جدید صنعت کارانہ سرمایہ داری' یاجوج ماجوج اور یہود

جیسے کہ مضمون کے شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کا لفظ یاجوج ماجوج دراصل سمیری زبان کے لفظ گوگ (gog) میٹ گاگ (matgog) کا معرب ہے۔ اس مرکب کو بقول اقبال' جدید اصطلاح میں سرمایہ دار اور مزدور کہا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانے میں سرمایہ میٹ گاگ (زمین کے مالک) کے پاس ہوتا اور باقی لوگ گاگ یعنی مزدور ہوتے۔ ایسے ہی جدید دور میں سرمایہ میٹ گاگ (''صنعت'' کے مالک) کے پاس آ گیا اور باقی لوگ مزدور۔

جاگیرداری نظام میں دولت جاگیردار کے پاس اور جاگیردار زرخیز علاقوں میں مرتکز ہوتا ہے۔ مثلاً جاگیردار عراق' مصر اور سندھ کے زرخیز علاقوں میں پائے جائیں گے۔ عرب' افریقہ کے صحراؤں' ایران' افغانستان کے پہاڑوں' کراچی' ممبئی یا اٹلی کے ساحلوں اور سائبیریا' ہمالیہ کے ٹھنڈے علاقوں میں اس قماش کے طبقے کا کوئی وجود نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا عنصر لازماً جاگیرداری سے جڑا اور جاگیرداری زمین کے زرخیز علاقوں سے جڑی رہی۔

جب تک جاگیرداروں کے طبقات مضبوط تھے قدیم ریاستیں مضبوط تھیں۔ مغربی عیسائی ریاستوں میں مذہب کی وجہ سے ریاستیں اور جاگیرداروں کو محفوظ پناہ گاہ میسّر رہی۔ مغربی عیسائی علاقوں میں قومِ یہود جو اپنے آباء واَجداد کے مسکن فلسطین کو چھوڑ کر جا کر آباد ہوئی تھی' کے حالات زندگی پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس زمانے میں ان پر قرآن کے الفاظ: ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۱۲) ''ان پر ذلت مسلط کر دی گئی جہاں دیکھے گئے' سوائے یہ کہ اللہ کی آڑ یا لوگوں کی آڑ (مل گئی اور بچ گئے)'' صادق آتے ہیں۔

جدید سرمایہ دار ہر شعبے سے متعلق لوگ تھے' مثلاً تاجر' صنعت کار' اشرافیہ وغیرہ۔ یہود کے جاگیردار نہ ہونے کی وجہ سے' یورپ میں نووارد اور بہت قلیل اقلیت ہونے کی وجہ سے اور پہلے سے تجارت ادنیٰ فن وحرفت اور سودی لین دین میں ملوث اور متخصص ہونے کی وجہ سے جدید صنعت کارانہ سرمایہ داری نے انہیں زمیندار/جاگیردارانہ سرمایہ داری کی ضرورت سے بے نیاز کرتے ہوئے ایک الگ سرمایہ کارانہ بنیاد فراہم کر دی۔ لہٰذا جرأت مند' آزاد خیال عیسائیوں کے ساتھ یہودی بھی صنعتی انقلاب میں حصہ دار' پیش پیش اور فائدہ اندوز تھے۔ مال ودولت کی غیر فطری حد تک ہوس اور عیسائیوں سے ماضی کی تلخ یادوں کی وجہ سے نفرت نے انہیں اس سنہری موقع سے انتہائی سفاکانہ حد تک مالی اور دنیاوی فائدے بھی حاصل کر لینے سے نہ روکا۔

جدید صنعت کارانہ سرمایہ داری کے وقت مذہبی پابندیاں بہت کمزور ہو چکی تھیں۔ اس لیے علیحدہ کر دیے جانے والے یہودیوں سے اب عیسائیوں کی مذہبی تخیل کی بنیاد پر نفرت بہت کم پڑ چکی تھی۔ لہٰذا ''نیچ ذات'' اور ''گھٹیا'' یہودیوں کو بھی افرادی قوت کے طور پر استعمال کر دیا گیا جس سے انہیں عیسائی معاشرے میں گھل مل جانے اور پھر اپنی سازشی اور جوڑ توڑ کی ذہنیت کو استعمال کرتے ہوئے صنعت کاری میں قدم جمانے اور مال ودولت سمیٹنے کا موقع مل گیا۔

صنعتی انقلاب نے شاید ہی کسی تباہ حال قوم کو سر اٹھانے میں اتنی مدد دی ہو جتنی یہود کو دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے برطانیہ‘ جہاں صنعتی انقلاب کا آغاز ہوا‘ میں عیسائی اور قلیل یہودی انتہائی دولت مند ہو گئے۔ چونکہ انقلاب کی ابتدا‘ برطانیہ میں ہوئی اور دوسرے ممالک ابھی انقلاب میں پس ماندہ تھے‘ لہٰذا دیگر ممالک کے یہودی برطانوی یہودیوں سے پیچھے تھے۔ جوں جوں انقلاب دوسرے ممالک میں پہنچا‘ برطانیہ ہی کی طرح دوسرے ممالک کے قلیل یہودی طبقات بھی سرمایہ دارانہ نظام میں شامل ہوتے گئے اور یوں انہیں بھی دولت اکٹھی کرنے کا موقع ملا۔ یوں یورپ کے مختلف ممالک میں چھپ چھپا کر اور دب دبا کر رہنے والے یہودی سماجی اور معاشی دونوں حیثیتوں سے بلند ہونے لگے۔

میرے خیال میں یہ تاریخ انسانی کا وہ مقام ہے جس کے لیے قرآن نے پیشین گوئی کی‘ جس کے لیے ایک خاص لفظ استعمال کیا‘ جو صحیح طور پر سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے یاجوج ماجوج اور قوم کے پلٹنے والا معمہ حل نہیں ہو رہا ہے۔ میرا اشارہ ہے لفظ ’’حدب‘‘ کی طرف۔

حدب کا ترجمہ ہے ’’زمین کا ابھار‘‘۔ اب ابھار کے بارے میں ہم سمجھتے تو ہیں کہ ہموار سطح جہاں ذرا سی اٹھ جائے تو اس کو ابھار کہتے ہیں‘ جسے انگریزی میں bump کہا جاتا ہے‘ لیکن اس آیت میں استعمال کیے گئے لفظ ’’حدب‘‘ پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ ہم قرآن کا ایک بلیغ اشارہ سمجھنے سے قاصر رہ گئے۔ میرے خیال میں ’’حدب‘‘ میں چونکانے والی بات یہ ہے‘ جس پر کم از کم میں تو چونکا ہوں‘ کہ ’’حدب‘‘ (اُبھار) سے تو کوئی چیز لڑھک کر آسانی سے نہیں گر سکتی‘ جیسا کہ آیت کے الفاظ ہیں: ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶﴾ (الانبیاء) ’’اور وہ ہر ابھار سے لڑھکنے لگیں گے‘‘۔ یاجوج ماجوج جو بھی تھے یا ہیں‘ انسان‘ جن یا وحشی کم از کم ’’ابھار‘‘ سے تو نہیں لڑھک سکتے۔ اگر اللہ کہتا ’’بلندی‘‘ یا ’’پہاڑ‘‘ سے تو پھر بھی سمجھ آتی ہے کہ کوئی اونچا مقام ہو گا‘ حقیقی یا خیالی‘ جیسا بھی‘ وہاں سے یاجوج ماجوج لڑھکیں گے‘ لیکن ابھار سے..... چہ معنی دارد!

اسی بات پر غور کرنے سے اس معمے کی کنجی ہاتھ آتی ہے۔ دراصل قرآن بتانا ہی یہ چاہتا ہے کہ جو مذکور نہیں‘ مضمر ہے کہ گرنا یا لڑھکنا اتنا آسان ہو جائے گا کہ وہ یعنی یاجوج ماجوج ہر ابھار سے (بھی) لڑھکنے لگیں گے‘ یعنی بلندی یا عربی زبان میں کہیں تو ’’اوج‘‘ یا ’’جبل‘‘ سے تو ہر چیز نیچے گرتی ہی ہے‘ لیکن قوم تب تک نہیں پلٹ سکتی جب تک یاجوج ماجوج ’’ابھار‘‘ سے

نہیں لڑھکتے۔ اس کو ایک خاکے سے سمجھ لیں:

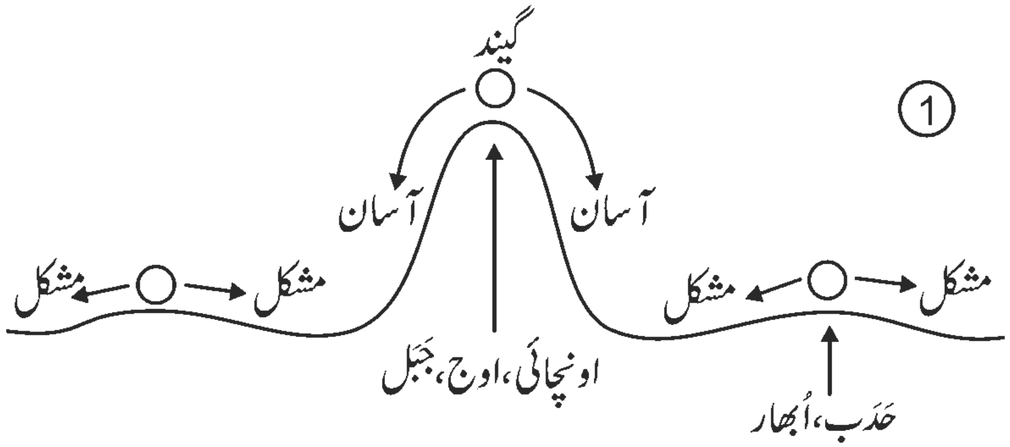

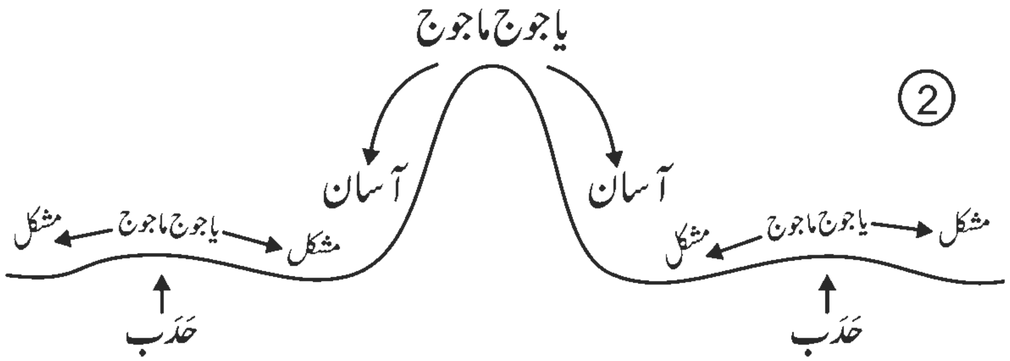

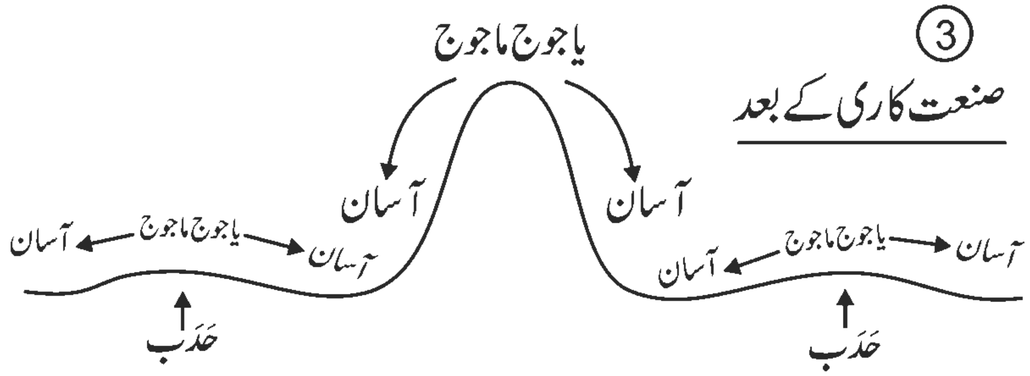

پہلے خاکے میں‘ میں نے گیند پہاڑ اور حدب دونوں پر بنائی ہے اور دکھایا ہے کہ پہاڑ سے گرنا آسان ہوتا ہے لیکن حدب سے لڑھکنا مشکل۔ کیونکہ پہاڑ زیادہ ڈھلوان والا (steep) ہوتا ہے اور حدب کم ڈھلوان والا۔ دوسرے خاکے میں گیند کے بجائے یاجوج ماجوج لکھ دیا ہے۔

مضمون کے شروع میں‘ میں نے کہا تھا کہ یاجوج ماجوج دراصل جاگیردار اور مزارع کا

معرب نام ہے۔ جاگیردار کے پاس سرمایہ بہت ہوتا ہے اور ہاری کے پاس صرف دو وقت کی روٹی بمشکل۔ نزولِ قرآن کے وقت زمین کے جبال' اونچے مقامات یعنی مصر اور عراق میں جاگیرداری قائم ہو چکی تھی۔ لیکن پست مقامات یا حدب یا دوسرے لفظوں میں کہہ لیں کہ وہ جگہیں جہاں زرخیزی نہیں تھی وہاں سرمایہ داری تب ممکن ہوئی جب ایجادات اور علوم وفنون کا طوفان برپا ہوا۔ اب سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش صرف بابل یا مصر تک محدود نہیں رہی بلکہ ہر ''حدب'' سے سرمایہ دار اور مزدور اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھسلنے لگے۔ برطانیہ' فرانس' جرمنی' ہنگری' ملائشیا' جاپان' آسٹریلیا' رشیا اور دنیا کے نہ جانے کون کون سے کونے میں سرمایہ دار اور مزدور طبقہ وجود میں آ گیا جو کل تک صرف عراق' مصر یا سندھ کے زرخیز میدان میں تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ شخص بھی دولت مند بن سکتا ہے جس کے پاس زمین نہیں۔ اور یہ صورت حال سب سے زیادہ پسی ہوئی قوم یہود پر سب سے زیادہ مہربان ہوئی۔ وہ کرتے ہی تجارت تھے' سود لینا دینا وہ جانتے تھے' دولت کی ہوس ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چنانچہ اول' ایجادات اور علوم وفنون کے ذریعے اور ساتھ اپنی سودخوری اور سازشی ذہن کے ذریعے پہلے برطانیہ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام یورپی ملکوں میں وہ دوبارہ سر اٹھانے لگے اور پھر سیاست میں داخل ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے سیاسی اثر ورسوخ نے اتنا مقام حاصل کر لیا کہ کل تک مردود' ملعون اور پسے ہوئے یہود اب ہم پلہ شہری ہو گئے۔ آسٹریا' ہنگری نے 1817ء میں یہودیوں کو پورے قانونی حقوق دیے۔ فرانس نے ان کو 1789ء میں شہریت دے دی۔ اس دوران جرمنی اور اٹلی میں یہودیوں کو عیسائیوں کے برابر برتا جانے لگا۔

اس دوران زیادہ مذہب پرست اور نسل پرست یہودیوں نے' جن کے پاس دولت بہت زیادہ تھی' اسرائیلی نسل اور مذہب کو واپس بیدار کرنے کے لیے خفیہ اور علانیہ کوششیں شروع کر دیں۔ اس طبقے میں انتہا پسند طبقہ ''Zionist'' وجود میں آ گیا جس نے اپنے اثر و رسوخ سے 1817ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ بالفور سے ڈکلیریشن لے لیا اور اس وعدے کی بنیاد پر جدّوجُہد سے 1848ء میں اپنا وطن اسرائیل بھی بنا لیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ جب بالفور ڈیکلریشن ہوا' وہ سال رشیا کے کمیونسٹ انقلاب کا سال تھا' اور کمیونسٹ انقلاب دراصل سرمایہ دارانہ نظام کا ردعمل تھا' لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ نہ صرف سرمایہ دارانہ نظام نے یہود کو اٹھنے کا موقع دیا بلکہ ہمارے مشرقی ممالک میں جب اس کا

تعارف ہوا' اس وقت تک تو مغرب کے اندر اس نظام کے خلاف نفرت بھی اتنی شدید ہو چکی تھی کہ اس نفرت کا اظہار پہلے کارل مارکس کی کتاب داس کیپیٹل کی صورت میں ہوا' اور عملاً روس کے کمیونسٹ انقلاب کی صورت میں ہوا۔ اور اتفاقاً ردعمل کا انقلاب جس وقت آیا' اس وقت پسی ہوئی قوم کی حیثیت کو باقاعدہ تسلیم کرنے کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ یعنی بالفور ڈیکلریشن' اسی لیے اس موقع (کمیونسٹ انقلاب) پر اقبال نے یہ اشعار کہے تھے :

محنت و سرمایہ دنیا میں صف آرا ہو گئے — دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمناؤں کا خون
حکمت و تدبیر سے یہ فتنہ آشوب خیز — ٹل نہیں سکتا ''وقد کنتم به تستعجلون''
کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام — چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ''ینسلون''

اقبال یاجوج ماجوج کو جاگیردار اور مزارع کی جنگ/ کشمکش سمجھتے تھے۔ مغربی سرمایہ دارانہ نظام سے یہود یک طرفہ طور پر ہی مستفید نہیں ہوئے۔ جیسے ہمارے یہاں برصغیر میں' انگریزوں کی آمد' ان کی تہذیب وتمدن اور سائنسی علوم کے متعارف ہونے کے بعد مقامی تہذیب وتمدن اور مذہب کے ماننے والے دو گروہوں میں بٹ گئے' ایسے ہی مغربی تہذیب کی مذہبی' سیاسی کشمکش جس نے مغربی تہذیب کو دو متصادم گروہوں میں بٹتے' لڑتے اور پھر موجودہ جدید تہذیب کو فتح ہوتے دیکھا' یہودیوں کی قوم کو تکلیف دہ اضداد میں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

اس تاریخی عمل' جس میں کسی نظریاتی قوم کو قدیم اور جدید کے درمیان کسی ایک کو چننے کی جدوجہد میں متصادم نظریات میں بکھرنا پڑ جاتا ہے' کو ایک مثال سے سمجھانا چاہوں گا۔ اگرچہ یہود جدید سرمایہ داری سے متعارف ہو کر فائدہ اٹھانے والوں میں پیش پیش تھے لیکن اس کے خلاف ردعمل انہی کی ایک قوم کے فرد کارل مارکس کے ذہن میں بھڑکا۔ یعنی اگر یہود فائدہ اٹھانے والوں میں تھے تو ان کے بہت سے افراد شدید ترین متاثرین میں بھی تھے۔ اسی طرح ہم تاریخ کے ایک اہم واقعے ایٹم بم کی ایجاد کی طرف دیکھیں تو یہ حیرت انگیز اور دلچسپ انکشاف ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف شعوری یا لاشعوری طور پر ایٹم بم کی فزکس اور ایجاد کے ساتھ بیسویں صدی کی دوسری' تیسری دہائی کے مشہور یہودی سائنس دان' اینریکو فرمائی (Enrico fermi)' نیلز بوہر (Neils Bohr)' لیوز یلارڈ (Leo Szelard)' ہینز بیدی (Hans Bethe) اور آئن سٹائن (Einstein) وغیرہ متعلق تھے' جن میں سے چند بھاگ کر امریکہ گئے اور امریکہ میں ایٹم بم کی تخلیق کے پروگرام سے متعلق ہو گئے' تو دوسری طرف سرمایہ داری نظام کے مخالف نظام کمیونزم کی علمبردار

طاقت روس کو ایٹمی راز بھی ایک یہودی جوڑے ایتھل (Eithel) اور جولیس روزنبرگ (Julius Rosenberg) کے ذریعے لیک (leak) کیے گئے۔ اس یہودی جوڑے کو سزائے موت ہوئی اور 1954ء میں ان دونوں کو امریکہ میں پھانسی دے دی گئی۔ ان کو بچانے کے لیے کسی یہودی نے کوشش بھی نہیں کی۔ انہی دونوں کے خطوط سے متاثر ہو کر ہمارے یہاں مشہور شاعر فیض نے جیل میں ایک شاہکار نظم تخلیق کی:

ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

تیرے ہونٹوں کے پھولوں کی چاہت ہم
دار کی خشک ٹہنی پہ وارے گئے
تیرے ہاتھوں کی شمعوں کی حسرت میں ہم
نیم تاریک راہوں میں مارے گئے

اسی طرح نیوکلیر فزکس سے متعلق سائنس دان (Leo Szilard) نیوکلیر فزکس سے اس قدر دلبرداشتہ ہوا کہ فزکس چھوڑ کر بیالوجی کی شاخ جنیٹکس سے متعلق ہو گیا۔ تو اس طرح یہود کا ایک گروہ ع ''چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی!'' کے مصداق اگر دین سے بے نیاز ہو کر جائز ناجائز ہر طرح کا فائدہ اٹھانے میں منہمک تھے تو دوسری طرف خود انسانی حریت' انصاف اور معاشی فسادات کے ''جنونی'' آدرشوں کے لیے خیالات پھیلانے' جدوجہد کرنے والا ایک قلیل یہودی گروہ بھی تھا' کیونکہ وہ متاثرین میں بھی تھے۔

یاجوج ماجوج کے ہرابھار سے لڑھکنے کے زمانے میں صرف یہود ہی نہیں پلٹے' بلکہ اور بہت سی قومیں بھی پلٹیں۔ ہندوستان جو مسلمانوں سے مغلوب ہو گیا تھا اور ہندو مغلوب ہو کر رہ رہے تھے' انگریزوں نے آنے کے بعد ہندوؤں کی سرپرستی کی اور وہ ہندو جو کل تک محکوم' مجبور تھے ایک دو دہائیوں کے اندر اندر بالادست ہو گئے۔ اور اب تو یہ صورتحال ہے کہ یاجوج ماجوج کے ہر بلندی سے گرتے وقت مغلوب ہونے والی مسلم قومیں' مصر' سوڈان' لیبیا وغیرہ بھی پلٹ آئی ہیں۔

یاجوج ماجوج نے صرف ان قوموں کو پلٹنے میں مدد نہیں دی جو پہلے کبھی عروج پر تھیں اور قرآن کے نزول کے وقت کے آس پاس تباہ ہو گئیں بلکہ وہ قومیں جو بالکل کوئی نام تک نہ رکھتی تھیں ان کو بھی قد کاٹھ نکالنے کا موقع ملا۔ انگریز جب بنگال پر قابض ہوئے تو نہ صرف ہندوؤں نے ان کا ساتھ دیا بلکہ مسلمان طبقات میں سے بھی وہ لوگ جو رتبہ اور مقام دنیوی

اعتبار سے نہیں رکھتے تھے' نہ ماضی میں نہ اُس وقت' انگریزوں کے حاشیہ نشین بن کر سربلند اور نامور ہو گئے' نواب' سر' سید اور کیا کیا بن گئے اور کہلوانے لگے۔ اسی طرح جوں جوں انگریز ہندوستان کے مشرق کے علاقوں بنگال اور بہار وغیرہ سے مغرب کی طرف بڑھتے گئے یہ عمل بتکرار ہوتا رہا۔ پنجابی تو ویسے ہی بدنام ہیں' شروع میں تو بنگال کے ''سیدوں'' نے کیا تھا۔

اس کے علاوہ یاجوج ماجوج کے phenomenon میں ایک اور بات نمایاں ہے کہ اس میں ککھ پتی راتوں رات لکھ پتی ہو سکتا ہے' مثلاً بینک سے قرضے لے کر کوئی کاروبار شروع کر لے اور اس میں کوئی ہیر پھیر کر کے راتوں رات ارب پتی ہو جائے۔ کل تک تو کوڑی کوڑی کا محتاج تھا آج ارب پتی جاگیرداروں' صنعت کاروں اور تاجروں میں شامل ہو گیا۔ کل تک یاجوج تھا آج ماجوج ہو گیا۔ دوسری طرف ایک ارب پتی تھا' اس کا سرمایہ کسی کاروبار میں لگا تھا' کسی اتفاق کی وجہ سے وہ کاروبار راتوں راتوں گھاٹے میں چلا گیا۔ تو وہی ارب پتی اب کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جائے گا' جیسے کوئی سٹاک ایکسچینج کریش کر جائے تو دیکھنے میں آتا ہے۔ تو کل کا ماجوج آج کا یاجوج بن جاتا ہے۔ یہ معاملہ آج ہمارے زمانے میں انتہائی تیز رفتاری سے رونما ہوتا ہے۔ آپ ایجنٹ یا ٹھیکیدار یا آڑھتی بن جائیں تو بغیر سرمائے' محنت اور چانس کے راتوں رات بھی ارب پتی بن سکتے ہیں۔ میرے خیال میں قرآن کا ذوالقرنین کے قصے کے فوراً بعد یہ کہنا:

﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝۹۹﴾ (الکہف)

''اور ہم چھوڑ دیں گے اس دن کہ ایک دوسرے میں گھسیں اور صور پھونک دیا جائے گا اور ہم ان سب کو جمع کر لائیں گے۔''

کا اشارہ آج کے دور کی اس عبرت آموز حقیقت ہی کی طرف ہے۔

یہاں فقط علمی اضافے کے لیے ایک بات کہنا چاہوں گا کہ یہود کے دو قبیلوں کے بارے میں اکثر قیاس آرائیاں پڑھنے اور سننے میں آتی ہیں کہ ایران میں آنے کے بعد بارہ میں سے دس قبیلے تو فلسطین واپس چلے گئے تھے لیکن دو قبیلوں کا کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں گئے۔ میرے مطالعے کے مطابق ایک گروہ ہندوستان آیا اور برہمن کہلوانے لگا۔ گاؤ ماتا کی پوجا/ سونے کا رنگ' پیلا رنگ پسند کرنا' سود خوری میں ملوث رہنا' یہ وہ چند عادات و اطوار ہیں جو وہ اپنے

اسلاف سے ورثے میں ساتھ لائے۔

دوسرے گروہ کے بارے میں زیادہ غیر یقینی پائی جاتی ہے کہ وہ کدھر گیا۔ میرے مطالعے کے مطابق قدیم زمانے کی ''شاہراہِ ریشم'' یعنی وہ لمبا تجارتی راستہ تو مشرقی رومی سلطنت اور مشرق بعید کے ممالک مثلاً چین وغیرہ کے درمیان تجارتی رابطہ کا راستہ تھا۔ یہود کے اس گروہ کا پسندیدہ علاقہ تھا۔ اس راستے پر پائے جانے والے شہروں بخارا' سمرقند' تاشقند' گیلان وغیرہ ہیں یہ گروہ رہنا پسند کرتا۔ مشرق کی چیزوں کو مغرب اور مغرب کی چیزوں کو مشرق کی طرف منتقل کرتا۔ یہ گروہ تجارت میں سرگرم ہونے کی وجہ سے انتہائی امیر تھا۔ دوسری طرف ایران کے مرکز میں رہنے والے یہود بھی اپنی ذہانت اور انتظامی ذکاوت' مال و دولت کی وجہ سے بادشاہوں سے قریب تھے۔ یہ لوگ بہت امیر ہوئے اور ایران کے معزز القابات ''خواجہ'' اور ''میر'' اپناتے۔

رومی اور ایرانی سلطنت کی کشمکش کی وجہ سے شاہراہِ ریشم کے علاقوں پر رہنے والے یہود آہستہ آہستہ بے کار ہونے لگے۔ اسلام آنے پر انہوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ گیارہویں اور بارہویں صدی کے منگولوں کے حملوں میں یہ لوگ بھاگ کر ہندوستان آئے۔ یہاں آ کر وہ اپنے آپ کو ''بخاری' گیلانی' سید'' کہلوانے لگے۔ بعد میں ایران کے مرکزی شہروں کے یہود جو خود کو ''خواجہ'' اور ''میر'' کہلاتے تھے وہ بھی ہندوستان ہجرت کرنے لگے۔ میر جعفر اور میر صادق بنگال اور دکن کے ساحلی صوبوں میں اسی لیے ''پائے'' جاتے تھے کہ یہ لوگ تجارت میں دلچسپی رکھنے کی وجہ سے جب ایران سے بھاگ کر ہندوستان آئے تو ہندوستان کے تجارتی علاقوں کا رخ کیا۔ اس وقت تجارت زیادہ ساحلی علاقوں پر ہوتی تھی تو مختصراً یہ کہ یہود کے دو گمشدہ قبیلوں میں سے ایک جو ایران میں مستقل سکونت پذیر ہو گیا' اس نے اپنی موروثی روش کے تحت اپنی شناخت بدل لی اور خواجہ اور میر کہلوانے لگا۔ اسلام لانے کے بعد سید کہلانے لگا اور معتد بہ حصہ ہندوستان منتقل ہو گیا۔ اپنے ساتھ یہودی اور ایرانی فلسفیانہ رہبانہ روایات کو ساتھ لے کر آیا اور تصوف کے لبادے میں اسی کی تبلیغ و اشاعت کرنا شروع کر دی۔ الا ماشاء اللہ!

تمام شد

آغاز
3/اگست 2015ء
دورانیہ: 10 ماہ

قرآن فہمی کورس

سال اوّل

- آسان عربی گرامر
- قرآن کریم کا منتخب نصاب
- ترجمۂ قرآن حکیم
- عقائد و عبادات
- دینی و تحریکی لٹریچر
- توسیعی محاضرات
- بنیادی قواعد تجوید
- مطالعۂ حدیث
- دورۂ ترجمۂ قرآن
- تزکیہ و احسان
- سیرۃ النبی ﷺ

اوقات
صبح: 8:45 بجے تا دوپہر 1 بجے (پیر تا جمعہ)
- اہلیت برائے داخلہ: تعلیمی قابلیت انٹرمیڈیٹ یا مساوی
- حضرات و خواتین کے لیے (خواتین کے لیے شرکت کا باپردہ انتظام ہے)

سال دوم

- علم حدیث
- علم تفسیر
- علم فقہ
- عقیدہ
- فکر اسلامی
- توسیعی محاضرات
- اصول حدیث
- اصول تفسیر
- اصول فقہ
- عربی زبان و ادب
- تزکیہ و احسان

اوقات
صبح: 8:00 بجے تا دوپہر 1 بجے (پیر تا ہفتہ)
- اہلیت برائے داخلہ: قرآن فہمی کورس سال اول یا مساوی
- صرف حضرات کے لیے

افتتاحی تقریب: 2/اگست 2015ء بروز: اتوار مقام: قرآن اکیڈمی ڈیفنس

- داخلے کا حتمی فیصلہ انٹرویو کے بعد کیا جائے گا۔ انٹرویو کی تاریخ: 28 تا 30 جولائی 2015ء
- واضح رہے کہ قیام و طعام کی سہولیات صرف قرآن اکیڈمی ڈیفنس آباد میں حضرات کے لیے دستیاب ہیں۔
- اسی طرح فی الوقت سال دوم کا کورس صرف قرآن اکیڈمی ڈیفنس آباد میں منعقد کیا جا رہا ہے۔
- تفصیلات کے لیے مکتبہ سے پراسپیکٹس حاصل کریں یا ویب سائٹ ملاحظہ کریں۔

مقاماتِ تدریس

قرآن اکیڈمی ڈیفنس
خیابان راحت، درخشاں، ڈیفنس فیز 6
فون: 0342-2817966
35340022 (محمد نعمان صاحب)

قرآن اکیڈمی ڈیفنس آباد
بلاک 9 فیڈرل بی ایریا، ڈیفنس آباد
فون: 0323-2020907
36806561 (فاروق احمد صاحب)

انجمن خدام القرآن
سندھ، کراچی، رجسٹرڈ
قرآن اکیڈمی

www.QuranAcademy.com

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

داخلے جاری ہیں

رجوع الی القرآن کورسز

(پارٹ I اور II)

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تا کہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 10 اگست سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 10 اگست کو صبح 8:30 بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ:
پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: **قرآن اکیڈمی**
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
email:irts@tanzeem. org
ندیم سہیل
0322-4371473

Aug.2015
vol. 64
Regd. CPL No. 115
No.8
Monthly Meesaq Lahore